

عمران سیریز نمبر 21

شفق کے پجاری

(مکمل ناول)

آگاہ کریں۔ انہیں خصوصیات کی بناء پر اڈلفیا دور تک مشہور ہے۔ ہم ویٹروں میں کوئی بھی نان میٹرک نہیں ہے اور ہیڈ ویٹر نہ صرف گریجویٹ بلکہ لندن کے جیفریز ہوٹل کا تربیت یافتہ بھی ہے۔“

”آپ سب سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔“ عمران چمک کر بولا۔ اور ایک بار پھر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا پھر دفعتاً اسے بائیں ہاتھ سے پکڑ کر ہکھلانے لگا۔ ”مم..... معاف کیجئے گا..... مم..... بالکل گدھا ہوں..... ارر..... یعنی..... کہ..... ٹھیک ہے..... اب مجھے بھوک لگ رہی ہے..... نہاری اور توری روٹیاں!“

”نہاری اور توری روٹیاں.....!“ ویٹر نے حیرت سے دہرایا اور پھر ایسا منہ بنایا جیسے اس فرمائش پر اسے گہرا صدمہ پہنچا ہو۔

”اگر نہاری..... نہ ہو تو..... پنچے کی دال.....!“

”ٹھہریئے..... آپ تشریف رکھئے..... میں خود ہی آپ کے لئے کھانے کا انتخاب کروں گا۔!“

”دیری گڈ..... بہت خوب.....!“ عمران پھر خوش ہو گیا اور آہستہ سے رازدارانہ لہجے میں بولا۔ ”بس منی کی ماں مجھے بھی اسی لئے اچھی لگتی ہیں کہ.....!“

ویٹر جاچکا تھا۔ عمران نے جملہ پورا کرنے کی بجائے چھت کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

ہال کی ساری میزیں قریب قریب انگنچ ہو چکی تھیں۔ یہاں ماحول بہت پُر سکون تھا۔ کسی طرح کی بھی بد نظمی یا بے ربطی کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ لوگ آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے۔ قہقہے لگاتے وقت بھی ان کی آوازیں اونچی نہ ہوتیں۔

عمران بور ہو رہا تھا..... آج ہی شام کو وہ یہاں پہنچا تھا۔ لیکن اب اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ وہ کہیں باہر جائے۔

کچھ دیر بعد ایک ویٹر اس کی میز پر پلیٹیں لگانے لگا..... یہ وہ ویٹر نہیں تھا جس سے کچھ دیر قبل عمران کی گفتگو ہوئی تھی۔

ویٹر میز کے پاس سے ہٹ گیا اور عمران نے ایک قاب کا ڈھکن اٹھایا..... اس میں چاول تھے۔ عمران کھانے کی شروعات چاولوں سے کرنے کا عادی نہیں تھا اس نے دوسری قاب کا



قریب وجوار کے شہروں میں شاہ دارا ہی ایسا شہر تھا جسے عمران نے اچھی طرح نہیں دیکھا..... یوں تو کئی بار اُس کا یہاں آنا ہوا تھا لیکن کبھی شہر دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔! ان دنوں وہ قریب قریب بے کار تھا لہذا اس نے سوچا کہ شاہ دارا ہی دیکھ ڈالا جائے۔

وہ تنہا آیا تھا اور یہاں کے سب سے زیادہ شاندار ہوٹل اڈلفیا میں اس کا قیام تھا۔ اڈلفیا میں یہ اس کی پہلی رات تھی..... اور وہ ڈائننگ ہال میں اپنی میز پر تنہا تھا..... اس کے چہرے پر حسب معمول حماقتوں کی آندھیاں چل رہی تھیں۔

تقریباً سات بجے ایک ویٹر اس کی میز کے قریب آیا اور سلام کر کے آرڈر کا منتظر تھا کہ عمران نے احمقانہ انداز میں اٹھ کر اس سے مصافحہ کیا اور بال بچوں کی بابت دریافت کرنے لگا۔ ویٹر اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً اس نے جھک کر آہستہ سے پوچھا ”کیا آپ یہاں پہلی بار تشریف لائے ہیں جناب.....!“

”ہاں بھی..... بالکل پہلی بار.....!“

”کسی بڑے ہوٹل میں ٹھہرنے کا اتفاق بھی پہلی ہی بار ہوا ہے.....!“

”ارر.....“ عمران ہنس کر بولا ”نہیں..... ہاں..... مطلب یہ کہ.....!“

”ویٹروں کے سلام کے جواب پر مصافحہ نہیں کیا کرتے.....!“ ویٹر نے بزرگانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ بُرا نہ مانئے گا ہمارا فرض ہے کہ ہم آپ کو ہوٹل کے آداب سے

ڈھکن اٹھایا اس میں ترکاری تھی۔

معمول کے مطابق روٹیوں کے بعد اس نے چاول کی طرف ہاتھ بڑھایا اور جب وہ قاب سے پلیٹ میں چاول لے رہا تھا چچہ کسی ایسی چیز سے ٹکرایا جس نے اُسے قاب کی تہہ تک پہنچنے سے روک دیا۔ عمران نے چچہ ایک طرف رکھ کر اسے انگلی سے ٹٹولا اور پھر دوسرے ہی لمحہ میں وہ چیز اس کی چنگی میں ڈبی ہوئی باہر آگئی۔

یہ مونی کاغذ کا ایک چھوٹا سا لفافہ تھا اور اس کے اندر رکھا ہوا کاغذ کا ٹکڑا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ عمران نے اُسے ایک پلیٹ کے نیچے دبایا۔

لیکن اب یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ کھانا کھا رہا تھا.... کرسی کی پشت سے ٹک کر اس نے پلیٹ کے نیچے سے نکالا.... وہ گوند سے چپکا دیا گیا تھا اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا تھا کہ اندر رکھے ہوئے کاغذ تک بھاپ یا پانی کا اثر نہ پہنچ سکے۔

اس نے لفافہ کو کھول ڈالا۔ کاغذ کے ٹکڑے پر انگریزی میں ٹائپ کی ہوئی عبارت تھی۔
”سروش محل کے شمالی پھاٹک پر جاؤ۔ پھاٹک سے شمال مشرق کی طرف سو قدم پر جو جھاڑیاں ہیں ان میں ایک بیڑی اور ایک چھوٹی سی مشین ملے گی۔ بیڑی کا تار مشین کے سرخ لٹو سے کنکٹ کر کے اُسے دائیں جانب گھما دینا۔ پھر وہاں سے جتنا تیز دوڑ سکتے ہو دوڑ کر عمارت سے نکل جانے کی کوشش کرنا۔
پجاری



عمران نے اس عبارت کو تین چار بار پڑھنے کے بعد لفافے سمیت جیب میں رکھ لیا۔
سروش محل شاہ دارا کی ایک بہت مشہور عمارت تھی عمران نے اس کا نام پہلے بھی سنا تھا۔
وہ اس لفافے کے متعلق غور کرنے لگا۔ شاید یہ کسی اور کے دھوکے میں اس تک پہنچا تھا۔
اس کی معلومات کے مطابق سروش محل ایک متمول خاندان کی ملکیت تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس کے کسی شناسا نے اسے قوف بنانے کی کوشش کی ہو۔

ویٹر برتن سمیٹ لے گیا۔ عمران نے بہت غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔ لیکن

کے کوئی غیر معمولی بات نہیں نظر آئی۔ وہ اس خط سے بالکل ہی بے تعلق معلوم ہوتا تھا۔
عمران نے سوچا کہ ممکن ہے کسی نے اس کی لاطینی میں یہ حرکت کی ہو۔

وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر ہوٹل سے باہر آیا۔ وہ بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ اگر اس کے کسی شناسا کا مذاق نہیں تھا تو پھر کیا ضروری تھا کہ کسی اور کے دھوکے میں اسی کے پاس یہ خبر پہنچتی۔ حالانکہ اس سے پہلے بھی وہ ایسے اتفاقات سے دوچار ہو چکا ہے۔ مگر اس کی نوعیت ہی دوسری تھی۔ نہ جانے کیوں یہ اسے کسی ڈراپے کا ریسرسل معلوم ہوا تھا۔ اور پھر یہ تجویز کسی ”پجاری“ کی طرف سے تھی۔ بھلا پجاریوں کو ”بیڑی اور مشین“ سے کیا سروکار۔

اُس نے سوچا کہ اگر وہ اس کے کسی شناسا کا مذاق ہے تو اسے ضرور بیوقوف بننا چاہئے۔ آخر وہ تفریح ہی کے لئے تو یہاں آیا تھا اور بیوقوف بننا ہی اس کی سب سے بڑی تفریح تھی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی حماقتیں لانا دوسروں ہی کو بیوقوف بنادیتی ہوں۔

اس نے ایک ٹیکسی کی اور سروش محل کی طرف روانہ ہو گیا.... لیکن اسے علم نہیں تھا کہ وہ کن داستوں سے گزر رہا ہے۔ شاہ دارا کی راہوں میں وہ اجنبی تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد ٹیکسی شہر کے باہر پہنچ گئی۔ سروش محل شہر سے تقریباً دو ڈھائی میل کے فاصلے پر تھا۔

”مجھے عمارت سے تقریباً ایک فرلانگ ادھر ہی اتار دینا۔“ عمران نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اور پھر وہیں میری واپسی کے منتظر رہنا۔!“

”بہت بہتر جناب.... تب تو میرا خیال ہے کہ اب آپ اتر جائیے۔ یہاں سے ایک ہی فرلانگ کا فاصلہ رہ جاتا ہے۔ وہ جو روشنیاں نظر آرہی ہیں۔ وہی سروش محل ہے۔!“

”اچھی بات ہے۔ روک دو....!“
ٹیکسی رک گئی۔ عمران نے دس کا ایک نوٹ ڈرائیور کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ ایک طرف کا کرایہ ہو۔ واپسی کا کرایہ شہر پہنچ کر ادا کروں گا۔!“

یہ ایک طرف کا کرایہ اصل کرایہ کے دو گنے سے بھی زیادہ تھا۔ لہذا ڈرائیور دم واپس نکلا اس کا انتظار کر سکتا تھا۔

عمران ٹیکسی سے اتر کر روشنیوں کی طرف چل پڑا۔ جو زیادہ دور نہیں تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے خود کو ایک اونچی دیوار کے نیچے پایا۔

وہ وہیں ٹھہر کر ستوں کی طرف غور کرنے لگا لیکن..... یہ ایک مشکل کام تھا۔ تحریر۔
تو یہی مترشح تھا کہ عمارت کے کئی پھانک ہوں گے۔ مگر فی الحال اُن میں سے ایک بھی عمران اُ
نظر میں نہیں تھا۔ کسی ایک پر پہنچنے کے بعد ہی وہ ست کا تعین کر سکتا تھا۔ تحریر کے مطابق اسے
شمالی پھانک پر پہنچنا تھا۔

وہ دیوار کے نیچے نیچے ایک طرف چل پڑا۔ شاید یہ اصل عمارت کے گرد چار دیواری تھی و
چلتا رہا اس کا اندازہ تھا کہ چار دیواری کئی میل کے رقبے میں پھیلی ہوئی ہے۔ بالآخر وہ ایک
پھانک تک پہنچ ہی گیا۔ پھر اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ سمت بھی شمال ہی نکلی۔ یعنی وہی اتر
عمارت کا شمالی پھانک تھا۔

عمران شمال مشرق کی طرف مڑ کر آگے بڑھتا ہوا اپنے قدم گننے لگا۔ ٹھیک سو قدم چلنے
کے بعد وہ ان جھارڑوں کے قریب پہنچ گیا جن کے متعلق اس پر اسرار خط میں تحریر تھا۔
اس نے جب سے نارچ نکالی اور جھارڑوں میں گھس پڑا..... پھر دوسرے ہی لمحے میں اس پر
یہ بات واضح ہو گئی کہ وہ اس کے کسی شناسا کا مذاق نہیں تھا۔

اسے وہ بیڑی بھی مل گئی اور وہ مشین بھی جس سے بیڑی کا تار منسلک کر دینے کی ہدایت
خط میں موجود تھی۔ اور پھر اب اسے وہ تار بھی نظر آیا جو بیڑی سے نکل کر جھارڑوں کے باہر چلا
کیا تھا۔ عمران اسی پر نظر جمائے ہوئے باہر نکل آیا۔ اس تار کا سلسلہ پھانک تک چلا گیا تھا۔ لیکن
اس کے آگے کا حال عمران کو نہ معلوم ہو سکا کیونکہ پھانک بند تھا۔

وہ سوچنے لگا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے..... یہ تو ایک انتہائی خطرناک کھیل معلوم ہوتا تھا
اور یہ کسی بہت ہی چالاک آدمی کی حرکت تھی اور شاید اسے اس کام کے لئے کسی احمق ہی کا
انتخاب کرنا تھا جو کم از کم اس مشین کی اصلیت سے ناواقف رہا ہو گا۔ مشین میں چاروں طرف
ڈائنامیٹ کی ٹنکیاں فٹ تھیں اور اس کے تار کے آخری سرے پر بھی غالباً ایسی ہی ایک مشین
رہی ہو گی جو پھانک سے گزر چار دیواری کے اندر تک چلا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مشین کا
سرخ بیج گھماتے ہی دھماکے ہوتے۔ ایک چار دیواری کے اندر اور دوسرا ان جھارڑوں میں جس
سے خود بیج کھمانے والے کے پر خچے اڑ جاتے۔

ظاہر ہے کہ اصل مجرم نے اس کام کے لئے کسی ایسے ہی آدمی کا انتخاب کیا ہو گا جس کے

لئے یہ مشین ایک نئی چیز رہی ہو گی اور اس کے دھوکے میں ہدایات عمران کے پاس پہنچ گئی
تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہدایات پہنچانے والے کو صرف اتنا ہی بتایا گیا ہو کہ وہ ایک بیوقوف سا آدمی
ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ وہ بیوقوف آدمی اڈلفیا میں قیام کرنے والوں ہی میں سے ہو۔

اس نے بیڑی سے تار الگ کیا اور اسے سمیٹتا ہوا پھانک تک لیتا چلا گیا۔ پھر نیچے جھک کر
دروازے کے نیچے سے اُسے اندر پھینک دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں اس کی عدم موجودگی میں
وہی آدمی نہ پہنچ جائے جس کے لئے وہ پیغام تھا۔ ہو سکتا تھا کہ سازش کرنے والے کو اپنی یاد میں
کی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔

پھر اس نے اس تار کو بھی نکال دیا جو بیڑی کو مشین سے منسلک کرتا تھا۔ اُس نے سوچا
ممکن ہے وہ بیوقوف آدمی ہی آجائے۔ ظاہر ہے کہ وہ ہدایات کے مطابق سرخ بیج گھماتا اور خود
اس کے پر خچے اڑ جاتے۔

اتنا کر لینے کے بعد عمران ٹیکسی کی طرف چل پڑا۔ ڈرائیور اسٹیرنگ پر جھکا ہوا اونگھ رہا تھا۔
عمران نے اُسے جھنجھوڑا اور اندر بیٹھتا ہوا بولا ”اب مجھے سروش محل کے اُس پھانک پر لے چلو
جس سے آمدورفت رہتی ہے۔!“

گاڑی اسٹارٹ ہوئی اور آگے بڑھ گئی۔ فاصلہ زیادہ نہیں تھا وہ پلک جھپکتے ہی مشرقی پھانک پر
پہنچ گیا۔ اسی پھانک سے آمدورفت رہتی تھی۔ مگر اب پھانک بند ہو چکا تھا دربان ٹیکسی کے
قریب آگیا۔

”نواب صاحب ہیں!“ عمران نے اپنے لہجے میں وقار پیدا کرتے ہوئے کہا۔
”جی حضور..... مگر اب وہ سونے کے کمرے میں ہوں گے اور ہمارے لئے سخت آرڈر ہے
کہ ہم نوبت کے بعد پھانک ہر گز نہ کھولیں!“
”یہ بہت ضروری ہے میں ایک خاص آدمی ہوں۔ یا تو مجھے اندر جانے دو یا میرا کارڈ
بھجوا دو۔!“

دربان نے اس کے چہرے پر نارچ کی روشنی ڈالی اور سوچ آف کرتا ہوا بولا۔ ”مجھے کسی
”دوسرے خاص آدمی کا علم نہیں ہے..... جس کے لئے کہا گیا تھا وہ اندر ہی ہے۔!“
”تم میرا کارڈ پہنچا دو۔!“

”صاحب میں حکم کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں ویسے ٹھہریے میں سیکریٹری صاحب کو فون کرتا ہوں۔ وہ پھاٹک کے بائیں جانب والے کیبن میں چلا گیا لیکن دوبارہ پھاٹک پر آنے میں دیر نہیں لگی۔ اس نے پھاٹک کی ذیلی کھڑکی کا قفل کھولتے ہوئے کہا ”ندر آجائیے..... سیکریٹری صاحب آپ نے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ مگر واضح رہے کہ میں پٹھان ہوں اور میری زندگی کا بیشتر حصہ فوج میں گزرا ہے۔“

”واضح رہے گا۔“ عمران نے جھک کر پھاٹک میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ کیبن کے فون پر نواب رفعت جاہ کے سیکریٹری سے باتیں کر رہا تھا۔

”میں پرنس آف ڈھمپ ہوں۔“ عمران نے پروقار لہجے میں کہا۔
”ڈھمپ“ دوسری طرف سے متحیرانہ آواز آئی۔ ”میں نے اس ریاست کا نام آج تک نہیں سنا جناب۔“

”تمہاری خوش قسمتی ہے کہ آج تم سن رہے ہو۔ ہم نواب رفعت جاہ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”کیا یہ ملاقات نواب صاحب کے لئے متوقع ہوگی۔“ سیکریٹری نے پوچھا۔
”ہم زیادہ گہری اردو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر ہم اپنی زبان بولنا شروع کر دیں تو تم اپنے کانوں

کے پردے پھاڑ ڈالو گے۔ ملاقات تو ہم سمجھ گئے لیکن یہ متوقع کیا بلا ہے۔“
”مطلب یہ ہے کہ.... نواب صاحب آپ کو پہچانتے ہیں یا نہیں۔“

”نہیں پہچانتے تو اب پہچان لیں گے.... تم ہمارا پیغام ان تک پہنچا دو۔“
”وہ استراحت فرما رہے ہیں۔“

”استراحت کسے کہتے ہیں۔“
”یعنی کہ آرام فرما رہے ہیں۔“

”یعنی بھی شامل ہے آرام میں۔“ عمران نے کہا۔
”آپ صبح ملے گا جناب....“

”کیا نواب رفعت جاہ کی لاش صبح ہم سے گفتگو کر سکے گی۔“
”کیا مطلب....“

”مطلب یہ کہ رات کے کسی حصے میں یہ عمارت لازمی طور پر خاک کا ڈھیر ہو جائے گی۔“
”اوہ.... ذرا ٹھہریے.... میں ابھی حاضر ہوا....“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔

عمران نے بھی ریسیور رکھ دیا اور جیب میں چوگم کا پیکٹ تلاش کرنے لگا۔ اس کی پیشین گوئی نے نواب رفعت جاہ کے سیکریٹری کو اس درجہ سراسیمہ کر دیا کہ وہ اسے دیکھنے کیلئے پھاٹک پر آ رہا تھا۔
کچھ دیر بعد اس نے قدموں کی آہٹیں سنیں جو رفتہ رفتہ قریب آرہی تھیں یہ کم از کم دو آدمی تھے۔ عمران نے چوگم کو دانتوں میں دبائے ہوئے سوچا کہ یہاں خوف کے آثار پائے جا رہے ہیں جس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ کوٹلی کے افراد اپنے خلاف کسی قسم کی سازش کا شہ ضرور رکھتے ہیں۔

عمارت سے آنے والے دو آدمی عمران کے قریب پہنچ کر رک گئے۔
چوکی دار نے کیبن میں رکھی ہوئی لائین کی بتی اونچی کر دی تھی۔ آنے والوں میں سے ایک نے بے ساختہ ”ارے“ کہہ کر اپنے ہونٹ سکڑ لئے اور عمران نے دوسرے کی نظر پجاتے ہوئے اسے آنکھ مار کر کہا۔ ”تم لوگ اس وقت پرنس آف ڈھمپ کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل کر رہے ہو۔“

جس نے عمران کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی تھی دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ لیکن دوسرے آدمی نے جھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ ”آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔“

”میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ عمارت خاک کا ڈھیر نہ ہونے پائے اور نواب رفعت جاہ بصد جاہ و حشم سروش محل کی زینت بنے رہیں۔“

”سبحان اللہ کیا کلام ہے۔ پہلے آدمی نے سر ہلا کر داد دی لیکن عمران کی طرف نہیں مڑا۔
”اگر آپ نے سیدھی طرح گفتگو نہ کی تو ابھی پولیس کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔“

”ارے.... ارے.... سیکریٹری صاحب“ پہلا آدمی جس نے عمران کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی تھی بول پڑا۔ ”آپ گستاخی فرما رہے ہیں۔ شہزادہ عالی وقار کی شان میں۔ میں انہیں پہچانتا

نہیں۔ اف فوہ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ان کے قدم یہاں تک آئے ہیں اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”کیا مطلب.....!“ سیکریٹری اسے گھورنے لگا۔

”آپ ان سے پوچھئے تو کہ کیوں تشریف لائے ہیں!“

”ہم اس لئے تشریف لائے ہیں۔“ عمران نے اکر کر کہا ”تشریف نہیں لائے بلکہ ہمیں ایک ٹیکسی لائی ہے۔ بہر حال ہم یہ بتانے آئے ہیں کہ اس عمارت میں ایک ایسا ڈائنامیٹ موجود ہے جو اسے ننھے ننھے سنگریزوں میں تبدیل کر دے گا!“

”میرے خدا.....!“ پہلا آدمی اچھل پڑا۔ لیکن سیکریٹری کی آنکھوں سے بے یقینی جھانکتی رہی۔

”اگر یقین نہ ہو تو ہمارے ساتھ شمالی پھاٹک کی طرف چلو۔“ عمران پھر بولا۔

”کیا تم انہیں پہچانتے ہو!“ سیکریٹری نے اپنے ساتھی سے پوچھا۔

”اچھی طرح جناب.....!“ اس نے جواب دیا۔

”یہ ڈھمپ کون سی ریاست ہے..... کہاں ہے..... میں نے تو آج تک اس کا نام نہیں سنا!“

”آج تو تم سن رہے ہو۔ آج سے پہلے نہ سنا ہو گا۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”ڈھمپ کی کہانی بہت لمبی ہے۔ ہو سکتا ہے ہم کہانی شروع کر دیں اور ادھر دھماکہ ہو جائے!“

”میرا خیال ہے پھاٹک کی طرف ضرور چلئے!“ سیکریٹری کے ساتھی نے مضطربانہ انداز میں

کہا۔

”لیکن اگر کوئی الٹی سیدھی بات ہوئی تو اس کی تمام ترمیم داری تم پر ہوگی!“ سیکریٹری بولا۔

”میں ذمہ داری سے نہیں گھبراتا۔ آپ مجھ پر اعتماد کیجئے!“ اس کے ساتھی نے کہا۔

”اچھی بات ہے لیکن میں تین مسلح محافظوں کو بھی ساتھ لے چلوں گا!“

”ہماری طرف سے تین سو کی اجازت ہے!“ عمران بولا۔

سیکریٹری نے کیمین کے فون پر کسی کو مخاطب کر کے تین مسلح محافظوں کے لئے کہا اور ان کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا ساتھی اب بھی عمران کو گھورے جا رہا تھا۔ لیکن اب عمران اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ ویسے عمران بھی اسے وہاں دیکھ کر متحیر ضرور ہوا تھا۔ وہ سارجنٹ ہد ہد تھا۔ اس کا اس زمانہ کا ماتحت جب وہ محکمہ سراغ رسانی کے شعبہ کار خاص کا آفیسر تھا۔

محکمے کے لئے ہد ہد کی ناکارگی ضرب المثل کی سی حیثیت رکھتی تھی اور اس کا اسی وقت تبادلہ

ہوا تھا جب عمران نے شعبہ کار خاص کی آفیسری کو خبر باد کہا تھا۔ اس کے بعد سے پھر آج ان کو اس کی شکل دکھائی دی تھی۔

کچھ دیر بعد تین باوردی اور مسلح محافظ وہاں پہنچ گئے۔

”چلئے جناب.....!“ سیکریٹری نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ شاید اسے یہ ناوقت بھاگ دوڑ مگر اس زور رہی تھی۔ وہ شمالی پھاٹک پر آئے اور عمران نے اس تار کی طرف اشارہ کیا جو ڈھیر کی شکل بن پھاٹک کے نیچے پڑا ہوا تھا اور پھر اس کی نارنجی روشنی اس سمت ریگ گئی جدھر اس کا دس سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

”اور وہ بیٹری جس کے ذریعے ڈائنامیٹ کام میں لایا جاتا۔ پھاٹک کے باہر جھازیوں میں موجود ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”ہم نے تار اس سے الگ کر کے یہاں اندر لے دیا تھا۔ تاکہ ہماری عدم موجودگی میں کوئی اسے استعمال نہ کرنے پائے۔“

سیکریٹری کچھ نہ بولا۔ ویسے اب وہ لوگ تار کو نظر میں رکھے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ دوزی دیر بعد وہ اصل عمارت کے قریب پہنچ کر رک گئے یہاں تار ایک بدرو میں داخل ہو کر تب ہو گیا تھا۔

سیکریٹری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور ہد ہد آہستہ سے بولا ”دیکھا جناب میں نے کہتا تھا!“

تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ ڈائنامیٹ تک پہنچ گئے جو نواب رفعت جاہ کی خواب گاہ میں رکھا ہوا تھا۔ ان کی مسمری پر پڑی ہوئی چادر فرش تک لٹک رہی تھی۔ اس لئے اس کے اتفاقاً دیکھ لیے جانے کا بھی امکان نہیں تھا۔

نواب رفعت جاہ حیرت سے عمران کو دیکھ رہے تھے لیکن وہ کچھ بولے نہیں۔ ویسے عمران نے ان کی آنکھوں میں بے یقینی صاف پڑھ لی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اسے بھی سازش کا ایک حصہ سمجھ رہے ہوں۔

باہر کی جھازیوں میں بھی انہوں نے بیٹری اور ڈائنامیٹ دیکھے عمران نے انہیں بتانا شروع کیا۔ اسے استعمال کرنے والا بھی کس طرح ذلیل ہو جاتا۔

”میں اب یہ کیس پولیس ہی کے سپرد کر دوں گا!“ نواب رفعت جاہ آہستہ سے بڑبڑائے۔

”لے۔“ مگر آپ کو کیسے علم ہوا کہ یہاں ڈائنامیٹ رکھے گئے ہیں!“

دقار..... عقل سکندر و ارسطو رکھتے ہیں..... مم..... مطلب یہ کہ.....!“
 ”آئیے میرے ساتھ.....!“ نواب صاحب کہتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ وہ ایک کمرے میں آئے۔ رفعت جاہ کے ساتھ عمران کے علاوہ اور کوئی نہیں آیا تھا۔
 ”ہمارا قیام اڈلفیا میں ہے نواب صاحب.....!“ عمران نے کہا۔
 ”تشریف رکھئے!“ نواب صاحب نے ایک بار پھر اسے نیچے سے اوپر تک گھورتے ہوئے کہا۔
 عمران ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”ہم رات کا کھانا کھا رہے تھے کہ ایک قاب میں ایک پیجاری نظر آیا۔!“
 ”کیا مطلب.....!“

عمران نے جیب سے وہی کاغذ نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا جس نے اسے اس وقت یہاں آنے پر مجبور کیا تھا۔ رفعت جاہ اُسے پڑھنے لگے۔ عمران بہت غور سے ان کے چہرے کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ چہرے کا رنگ پھیکا پڑتا جا رہا ہے۔
 ”یہ..... یہ کاغذ.....!“ وہ تھوک نکل کر بولے۔ ”آپ کو کہاں ملا تھا!“
 ”چاول کی قاب میں.....!“

”میں کیسے یقین کر لوں.....!“
 ”اگر آپ یقین نہ کریں گے تو ہم روتے روتے مرجائیں گے۔ لہذا اس سے قبل ہی ہمیں یہاں سے کھٹک جانا چاہئے تاکہ ہماری جھینڑ و تکلفین کا بار آپ پر نہ پڑے۔!“
 عمران کرسی سے اٹھ گیا۔

”آپ اتنی آسانی سے نہیں جاسکیں گے جناب.....!“ رفعت جاہ نے سخت لہجے میں کہا۔
 ”اوہ..... تو کیا آپ ہمارے لئے اونٹ گاڑی منگوائیں گے۔“ عمران نے حیرت سے کہا۔
 ”کیونکہ دنیا میں وہی ایک دشوار ترین سواری ہے۔!“

”آپ میرا مذاق اڑانے کی کوشش نہ کیجئے.....!“ رفعت جاہ کا لہجہ اور سخت ہو گیا۔ ”اگر آپ اس وقت تک میرے باؤی گاڑی کی عمرانی میں رہیں گے جب تک کہ پولیس نہ آجائے۔!“
 ”اگر پولیس نے ہمیں پہچاننے سے انکار کر دیا تو کیا ہو گا۔!“
 ”یہ آپ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں۔!“

”اگر سازش کرنے والے دھوکہ نہ کھاتے تب بھی ہمیں کسی نہ کسی طرح علم ہو جاتا۔ ہم ہوا میں جرائم کی بوسونگھ لیتے ہیں۔ نواب صاحب.....!“
 ”صاف صاف کہئے جناب..... ورنہ ہو سکتا ہے کہ آپ کسی بڑی پریشانی کا شکار ہو جائیں۔!“
 ”ناممکن.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”دنیا کی سب سے بڑی پریشانی ہے کثیر الاولاد ہونا۔ لیکن ہم نے ابھی تک شادی ہی نہیں کی اور نہ اولاد کے ڈر سے کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے سب ٹھیک ہے۔!“

”دریں چہ شک..... سبحان اللہ..... کیا نکتہ بیان فرمایا ہے شہزادہ عالی وقار.....!“
 ہد ہد نے برجستہ کہا اور نواب صاحب اس کی طرف گھوم پڑے۔
 ”کیا تم انہیں جانتے ہو.....!“
 ”یقیناً حضور والا..... اگر میں ان سے واقف نہ ہوتا تو یہ بھلا آپ کی خواب گاہ میں کیے داخل ہو سکتے۔!“
 ”یہ کہاں کے شہزادے ہیں۔!“

”شہزادے..... جناب..... شمال کی طرف..... اونچے اونچے پہاڑوں کے درمیان..... جہاں بر فانی چوٹیاں.....!“ ہد ہد بات کو خواہ مخواہ طول دینے لگا تھا کہ عمران بول پڑا۔ ”ہم دائمی ڈھمپ کے سب سے بڑے نور نظر ہیں..... بلکہ لختِ جگر بھی۔!“
 ”ڈھمپ..... میں نے اس ریاست کا نام پہلی بار سنا ہے۔!“
 ”چلئے خیر سن لیا۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”بہترے ایسے بد نصیب بھی ہیں جنہیں شاہِ زندگی بھر سنا نصیب نہ ہو۔ ویسے ہم آپ سے اس مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ تنہائی میں تھوڑا سا وقت دیں گے۔!“

”کس مسئلے پر.....!“ نواب رفعت جاہ اُسے گھورتے ہوئے بولے۔
 ”یہی مسئلہ..... یعنی کہ پیجاریوں والا..... جی ہاں۔!“
 ”تم انہیں اچھی طرح جانتے ہو.....!“ رفعت جاہ نے ہد ہد سے پوچھا۔
 ”جج..... جناب والا..... اچھی طرح..... آپ مطمئن رہئے..... شش..... شہزادہ.....“

”ہم سے بڑی زبردست غلطی ہوئی رفعت جاہ!“ عمران نے پُر وقار لہجے میں کہا ”ہمیں چاہئے تھا کہ ہم مشین کا سرخ لٹو گھما دیتے!“

”کیا آپ پولیس کی موجودگی میں بھی یہ جملہ دہرا سکیں گے!“

”کیوں نہیں..... کیوں نہیں..... لیکن آپ براہ کرم پولیس والوں کو ہدایت کر دیجئے گا اپنی سرخ ٹوپیاں اتار کر ہمارے سامنے آئیں گے۔ ہمیں صرف سرخ ٹوپوں سے وحشت ہوتی ہے نواب صاحب..... ہام..... خیر..... لیکن پولیس کے آنے سے پہلے ہی اگر آپ پجاری کا راز ہم پر ظاہر کر دیں تو بہتر ہے!“

”میں اب اس سلسلے میں کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا!“

”اف فوہ.... ہم سچ سچ بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ہم نے سنا تھا کہ شاہ دارا میں تلی ہوئی نمکین موگ پھلیاں بکثرت ملتی ہیں اس لئے ہم نے یہاں قدم رنجہ فرمایا تھا.... مگر بیہات....!“

نواب رفعت جاہ نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبایا اور دوسرے ہی لمحے میں دو مسلح پٹھان کمرے میں داخل ہو کر خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔

”تم ان پر نظر رکھو....!“ رفعت جاہ نے ان سے کہا اور کمرے میں چلا گیا۔

پٹھان دروازے پر جم گئے ان کے ہاتھوں میں ریو اور تھے۔ عمران کرسی پر بیٹھا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا جائے گا۔ اس کا مطلب تو یہی تھا کہ رفعت جاہ کے لئے اس قسم کا کوئی واقعہ غیر متوقع نہیں تھا لیکن شاید وہ سازش کرنے والوں کی شخصیتوں سے واقف نہ تھے ورنہ وہ اتنے بدحواس نہ نظر آتے۔

عمران نے دونوں پٹھانوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ پتھر کے بتوں کی طرح خاموش کھڑے رہے۔ تقریباً پون گھنٹے تک اسے وہیں بیٹھے رہنا پڑا۔ پھر اطلاع ملی کہ پولیس آگئی ہے جس ملازم نے اطلاع دی تھی اسی نے بتایا کہ عمران کو ہال میں طلب کیا گیا۔

”ہماری بڑی توہین کی جارہی ہے ہم تو رفعت جاہ پر ہتک عزت کا مقدمہ چلائیں گے۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا لیکن اسے ہال تک جانا ہی پڑا کیونکہ دونوں پٹھان قضائے مہرم کی طرح سر پر سوار تھے۔

ہال میں نواب رفعت جاہ دو سب انسپکٹروں اور پانچ باوردی کانسٹیبلوں سمیت نظر آئے۔ عمران بڑی لا پرواہی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پولیس والے اسے بڑی طرح گھور رہے تھے۔ کیونکہ اب عمران کے چہرے پر اچھی طرح حماقت برسنے لگی تھی وہ کبھی اس کی طرف دیکھتے اور کبھی نواب رفعت جاہ کی طرف۔

”آپ کہاں کے شہزادے ہیں جناب....!“ ایک سب انسپکٹر نے اس سے پوچھا۔

”شاید ہم کسی یتیم خانے کے ہیں۔“ عمران نے غصیلے لہجے میں جواب دیا۔ ”جسے دیکھئے یہی سوال لئے چلا آ رہا ہے۔ ڈھمپ کا شہزادہ ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم ہر ایک کو ڈھمپ کا جغرافیہ سمجھاتے پھریں۔!“

”آپ براہ کرم سوالات کا جواب دیتے وقت محتاط رہئے۔!“ سب انسپکٹر خشک لہجے میں بولا۔

”ہم پیدائشی محتاط ہیں۔ سنا ہے کہ بہت احتیاط سے پیدا کرائے گئے تھے۔“ عمران نے جواب دیا۔ اس کی حماقت آمیز سنجیدگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا تھا۔

”آپ کا نام مع ولدیت.... و سکونت.... بتائیے.... آپ کا تحریری بیان ہو گا۔ اگر آپ یہ نہ ثابت کر سکتے کہ آپ کسی ریاست کے شہزادے ہیں.... تو....!“

”ہاں ہم جانتے ہیں کہ اس صورت میں ہمیں بہت دھوم دھام کے ساتھ رخصت کر دیا جائے گا.... سیکرٹری.... اودہ لاجول.... ولا.... یہاں کہاں ہے ہمارا سیکرٹری۔!“

”جی نہیں.... آپ کو حوالات کی ہوا کھانی پڑے گی۔“ سب انسپکٹر نے جھلا کر کہا۔ عمران نے چاروں طرف دیکھا اور بڑے پُر وقار انداز میں بولا۔ ”ہمیں حوالات میں رکھنے کا مطلب یہ ہو گا کہ....!“

دفن کھٹا کے کی آواز آئی اور ایک خنجر سامنے والے دروازے میں پیوست نظر آیا۔ وہ بائیں جانب والی کھڑکی سے آیا تھا۔ کچھ دیر کے لئے ہال کی فضا پر قبرستان کا سناٹا مسلط ہو گیا۔ پھر سب سے پہلے نواب رفعت جاہ اپنی جگہ سے اٹھے اور جھپٹ کر کھڑکی بند کر دی جس سے خنجر آیا تھا۔ پولیس والوں نے بھی کرسیاں چھوڑ دیں لیکن عمران بدستور بیٹھا رہا۔ اس نے صرف ایک بار ہی اس خنجر کی طرف دیکھا تھا اور اب اس طور بیٹھا کان کجھا رہا تھا۔ جیسے کسی نے بہت ہی

”فومانچو کی خلا بھی پڑھی ہے آپ نے.....!“ عمران نے جھک کر پوچھا۔
 ”آپ براہ کرم خاموش رہئے۔“ نواب رفعت جاہ نے غصیلی آواز میں کہا۔
 ”جب پھر آپ نے ممانی کی فومانچو..... اُوہ..... فومانچو کی نمائی کیا پڑھی ہوگی۔“
 ”خاموش رہئے.....!“ سب انسپکٹر نے بھی عمران کو لٹکارا۔

عمران جیب میں چیونگم کا پیکٹ تلاش کرنے لگا اور رفعت جاہ بولے سیکس روہمر کے پُر
 اسرار ناولوں ہی کی طرح یہ بھی ایک پُر اسرار داستان ہے۔ لیکن شاید بیسویں صدی کا ذہن اسے
 قبول نہ کرے۔ لیکن اب جب کہ حالات ایسی شکل اختیار کر چکے ہوں تو مجھے زبان کھولنی ہی
 پڑے گی۔“

لیکن اگر اسی رفتار سے کھلتی رہی تو شاید ہمیں ایک ماہ تک یہیں بیٹھا رہنا پڑے گا۔“ عمران
 نے اپنی آنکھوں کو گردش دے کر کہا۔
 ”آپ پھر بولے.....!“ سب انسپکٹر غریبا۔

عمران نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ رفعت جاہ نے پھر وہی داستان شروع کر دی۔
 ”مجھے دراصل فن مصوری کے نوادرات جمع کرنے کا شوق ہے۔ میرے پاس بہتر سے
 مشہور مصوروں کے اور بچل کارنامے ہیں۔ دور دور سے لوگ انہیں دیکھنے آتے ہیں۔ پچھلے
 سال ایک جرمن بھی یہاں آیا تھا جو بہت روانی کے ساتھ سنسکرت بول سکتا تھا۔“
 ”سنسکرت غالباً کھائی جاتی ہے۔“ عمران تشویش کن لہجے میں بڑبڑایا۔ لیکن نواب رفعت
 جاس کی طرف دھیان دیئے بغیر کہتے رہے۔ ”اس جرمن نے مجھے تین تصویروں کے لئے دس
 سو روپے کا آفر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ میں نے انکار کر دیا ہو گا۔ وہ شفق کے تین مناظر تھے اور
 زمین کا کہنا تھا کہ وہ اس کے فرقے کے کسی مذہبی پیشوا کی تخلیق تھے وہ خود کو شفق کا پجاری
 تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ اس نے اس شفق پرست فرقے کے ڈانڈے کہاں ملائے
 تھے۔ بہر حال اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ بھی آفتاب پرستوں یا ستارہ پرستوں کی طرح شفق کا پجاری
 تھا۔ اس نے کافی دیر تک مجھے اپنے مذہب کے متعلق بتایا تھا۔ قصہ مختصر وہ ان تینوں تصویروں کو
 اس لئے خریدنا چاہتا تھا کہ وہ اس کے کسی مذہبی پیشوا کی بنائی ہوئی تھیں۔ میرے انکار پر
 نے مکر کر کہا تھا کہ وہ کبھی نہ کبھی صحیح حق داروں تک پہنچ ہی جائیں گے۔ میں نے پوچھا وہ

بھونڈے قسم کا مذاق کیا ہو۔

نواب رفعت جاہ نے خنجر دروازے سے نکال لیا تھا اور اب اس کاغذ کی تہیں کھول رہے
 تھے..... جو خنجر کے دتے سے پلٹا ہوا تھا۔

دونوں سب انسپکٹر ان کے قریب ہی کھڑے تھے۔ دفعتاً عمران نے کہا۔

”اگر یہ خنجر کسی کے سینے میں پیوست ہو جاتا تو..... لیکن آپ لوگوں کا اطمینان قابلِ دلو
 ہے۔ کم از کم ڈھمپ میں تو ایسا نہیں ہوتا۔“

ایک سب انسپکٹر نے کھانسن کر بُرا سا منہ بنایا اور کانشیلوں پر بگڑنے لگا۔ ”ہائیں تم لوگ
 کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو۔ دیکھو نکل کر جانے نہ پائے۔!“

دوسرا سب انسپکٹر جو شاید اس سے جو نیز تھا کانشیلوں کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا..... اور
 نواب رفعت جاہ اس عبارت کو پڑھتے رہے جو خنجر والے کاغذ پر انگریزی حروف میں ٹائپ کی گئی
 تھی۔ پڑھ چکنے کے بعد بھی اُسے مٹھی میں دبائے رہے لیکن ساتھ ہی وہ عمران کو بھی گھورے
 جا رہے تھے۔

”کیا بات ہے.....؟“ سب انسپکٹر نے کہا اور رفعت جاہ چونک پڑے ان کے چہرے کی
 جھریاں کچھ اور گہری معلوم ہونے لگی تھیں۔ ان کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ جسم اب
 بھی بہت اچھا تھا۔ اگر چہ پر جھریاں نہ ہوتیں تو وہ پچاس سے زیادہ معلوم نہ ہوتے۔ ویسے وہ
 روزانہ شیو کرنے کے عادی تھے۔

”ٹھہریے.....!“ انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ”اب اگر یہ بات آپ لوگوں کے سامنے آگئی
 ہے تو میں شروع ہی سے بتاؤں گا۔“

نواب رفعت جاہ خاموش ہو گئے تھے۔ ان کی آنکھوں سے گہری تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔
 دفعتاً سب انسپکٹر نے انہیں ٹوکا۔

”میں منتظر ہوں جناب.....!“

”اوہاں..... دیکھئے.....!“ وہ پھر چونک پڑے۔ ”میں دراصل یہ سوچ رہا تھا کہ اس ظلم
 ہو شر با کی داستان کو کہاں سے شروع کروں..... میں نے سیکس روہمر کے پُر اسرار ناول بھی
 پڑھے ہیں۔!“

کس طرح اس نے کہا کہ نہ جانے کتنے ہاتھوں سے گزرتی ہوئی وہ تصویریں مجھ تک پہنچی ہوں گی۔ اسی طرح وہ میرے ہاتھوں سے بھی گزر کر کسی اور تک پہنچیں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد وہ کسی شفق پرست ہی کے ہاتھ لگیں۔“

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا ساکت ہو گئی۔ عمران سر جھکائے سوچ رہا تھا اور وہ دونوں اسے گھور رہے تھے۔ دفعتاً دوسرا سب انسپکٹر کمرے میں داخل ہوا۔

”ایک بھی مشتبه آدمی نہیں مل سکا۔“ اس نے دم لئے بغیر کہا۔ پھر نواب رفعت جاہ کو مخاطب کر کے کہا۔ ”آپ کے سارے محافظ عمارت کے چاروں طرف موجود ہیں۔ انہوں نے نہ کسی کو اندر آتے دیکھا اور نہ باہر جاتے دیکھا۔“

رفعت جاہ صرف ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے۔ پھر اس اطلاع پر تبصرہ کیے بغیر انہوں نے اپنی داستان دوبارہ چھیڑ دی۔ ”میں نے اس وقت اس کے خیال کو کوئی اہمیت نہ دی تھی مگر اب ادھر تین ماہ سے مجھے تھوڑی بہت تشویش ضرور ہو گئی ہے مجھے ان تصاویر کے متعلق اکثر گمنام خطوط موصول ہوئے ہیں لکھنے والا اپنے دستخط کے بجائے ”شفق کا پجاری“ لکھتا ہے۔ ان خطوط میں طرح طرح کی دھمکیاں ہوتی ہیں۔ اور ان دھمکیوں کے ساتھ انہیں تین تصویروں کا مطالبہ ہوتا ہے جن کے دام اس جرمن نے دس ہزار لگائے تھے۔ میں دراصل ابھی تک یہی سمجھتا رہا کہ کوئی مذاق کر رہا ہے۔ میرے احباب میں بہترے ایسے حضرات ہیں جنہیں میں نے یہ واقعہ سنایا تھا۔ لہذا یہ بھی ممکن تھا کہ میرے دوستوں میں سے کوئی شفق کے پجاریوں کی آڑ لے کر مجھ سے ایک خطرناک قسم کا مذاق کر بیٹھا۔“

”جی ہاں..... ہو سکتا ہے.....“ سب انسپکٹر نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا کر کہا۔

”اس لئے میں نے اس کی اطلاع پولیس کو نہیں دی تھی۔“

”نہیں جناب آپ کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔ اگر وہ مذاق ہی ثابت ہوتا تو آپ بڑی آسانی سے اسے درگزر کر سکتے تھے۔“

”ہاں..... آں.....!“ نواب صاحب سر ہلا کر بولے۔ ”لیکن یہ مجھے اچھا نہیں لگا تھا کہ پولیس اس کے متعلق میرے دوستوں سے پوچھ گچھ کرتی پھرتی۔ مگر ہاں اب جب کہ سر دش محل میں ڈائنامیٹ پائے جانے لگے ہیں۔ میں کس طرح اپنی زبان بند رکھ سکتا ہوں۔ خیر بہر

حال اب اس خط کو ملاحظہ فرمائیے جو ابھی خنجر کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔“ رفعت جاہ نے خط سب انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔

عمران اب کرسی کے ہتھے کو اٹھیوں سے کھٹکھٹا رہا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھا کر کہا۔ ”کیا ہم بھی اس خط کو دیکھ سکتے ہیں۔“

سب انسپکٹر جو خط پڑھ چکا تھا۔ نواب رفعت جاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”ہاں..... آپ اسے پڑھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد براہ کرم اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کیجئے گا۔ ورنہ میں آپ پر بھی اس سازش میں حصہ لینے کا شبہ ظاہر کروں گا ظاہر ہے کہ آپ اس صورت میں لازمی طور پر حراست میں لئے جائیں گے۔“

عمران نے کچھ کہے بغیر سب انسپکٹر کے ہاتھ سے وہ خط لیا۔ یہ خط بھی ٹائپ ہی کیا گیا تھا۔ اور عبارت یوں تھی۔

”اب تمہیں ہوش میں آ جانا چاہئے۔ دیکھو ہم اس طرح تمہارے پلنگ کے نیچے ڈائنامیٹ پہنچا سکتے ہیں۔ آج تو بس تمہاری تقدیر ہی یاد رہی کہ میرا ہدایتی خط ایک غلط آدمی کے ہاتھ لگ گیا مگر کب تک اُسے آخری وارننگ تصور کرو۔ ایک ہفتے کے اندر اندر وہ تینوں تصاویر ہمیں مل جانی چاہئیں۔ ورنہ انجام کے تم خود ذمہ دار ہو گے.....!“ (پجاری)

عمران نے اُسے بلند آواز میں پڑھا اور رفعت جاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”میرا..... خط ایک..... غلط..... آدمی کے ہاتھ..... لگ گیا.....!“

سب انسپکٹر نے برا سا منہ بنائے ہوئے رک رک کر کہا اور پھر عمران سے بولا ”غلط آدمیوں کو صحیح کرنا ہمارا کام ہے۔“

”سبحان اللہ..... کیا صفت پیدا کی ہے۔“ عمران چپک کر بولا۔ ”آپ تو شاعر معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی ڈھمپ بھی آئیے۔“

”میں آپ کو حراست میں لے رہا ہوں۔“ سب انسپکٹر غریبا۔

”کم از کم ڈھمپ میں تو ایسا نہیں ہوتا۔“ عمران نے اپنے شانوں کو جنبش دی۔

پھر نواب رفعت جاہ کو مخاطب کر کے بولا۔ ”آپ تو ہمارے ساتھ وہ رہتاؤ بھی نہیں کر رہے جو سکندر نے پورس سے کیا تھا..... خیر ہم بھی یاد کریں گے..... لیکن آخر ہمیں

حراست میں کیوں لیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔!“

”کیوں کہ آپ فراڈ کر رہے ہیں جناب۔۔۔۔۔!“ سب انسپکٹر بول پڑا۔

”تم خاموش رہو۔۔۔۔۔ ہم تم سے گفتگو نہیں کر رہے۔“ عمران نے غصیلی آواز میں کہا اور سب انسپکٹر چیخ اس گیدڑ بھسکی میں آگیا۔ غالباً اب وہ یہی سوچ رہا تھا کہ عمران کے بیان میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور ہے۔ ورنہ وہ اس طرح اکڑ کر بات نہ کرتا۔

”میں الجھن میں ہوں۔۔۔۔۔!“ نواب رفعت جاہ اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

”دنیا کی ساری الجھنیں رفع ہو جاتی ہیں بشرطیکہ آدمی عقل۔۔۔۔۔ کلیم۔۔۔۔۔ نہیں کیا کہتے ہیں

اُسے۔۔۔۔۔ اودہ۔۔۔۔۔ سلیم۔۔۔۔۔ بشرطیکہ آدمی عقل سلیم رکھتا۔۔۔۔۔!“

”میا آپ اس جملے کی وضاحت فرمائیں گے۔“ نواب رفعت جاہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”حقیقت یہ ہے نواب صاحب۔۔۔۔۔!“ عمران نے ہنس کر جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔ ”ہم

خود بھی عقل سلیم کے معنی نہیں جانتے بس ویسے ہی اس وقت استعمال کر بیٹھے ہیں لیکن ہمیں یاد پڑتا ہے کہ کچھ لوگ ہمیں کنور سلیم بھی کہتے ہیں۔“

”چھوڑیے جناب۔۔۔۔۔!“ سب انسپکٹر نے نواب صاحب سے کہا۔ ”آپ جو کچھ بھی کہیں۔

فوری طور پر اس کی تعمیل کی جائے گی۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ ٹھہریے۔۔۔۔۔“ نواب رفعت جاہ تشویش کن لہجے میں بولے۔ ”میرا خیال ہے

کہ ابھی انہیں حراست میں نہ لیجئے۔“

”آپ کی مرضی۔۔۔۔۔ مگر دیکھئے۔۔۔۔۔ یہ معاملہ بہت سنگین ہے ڈائنامیٹ میرے خدا۔۔۔۔۔

چیخ گھمانے والا بھی فنا ہو جاتا۔۔۔۔۔ اور آپ کا جو حشر ہوتا۔۔۔۔۔ اُف فوہ۔۔۔۔۔!“

وہ خاموش ہو کر خواہ مخواہ اپنے چہرے پر اس طرح رومال پھیرنے لگا جیسے بیسنہ خشک کر رہا ہو۔

”رپورٹ آپ درج کر لیجئے اور ان کا بیان لکھ لیجئے۔ لیکن یہ فی الحال محل ہی میں رہیں گے۔“

نواب صاحب نے خاموش ہو کر عمران کی طرف دیکھا جو چوگم کا پیکٹ پھاڑ رہا تھا۔۔۔۔۔ اس

کے انداز سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس نے اس دوران میں ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ بھی سنا

ہو۔

کچھ دیر بعد عمران کا بیان تحریر کیا جانے لگا۔ بیان دیتے وقت اس سے کوئی حماقت سرزد

نہیں ہوئی ویسے سب انسپکٹر اُسے بار بار گھورنے لگتا تھا۔ بیان ختم ہو جانے کے بعد سب انسپکٹر نے اس سے کہا۔ ”آپ کو اسی وقت میرے ساتھ اڈلفیا تک چلنا پڑے گا۔!“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“ عمران نے پوچھا۔

”میں وہاں آپ کے بیان کی تصدیق کروں گا۔!“

”ممکن ہے۔۔۔۔۔ ہم چل سکیں گے۔۔۔۔۔!“

”آپ صرف ایک شرط پر انہیں یہاں سے لے جاسکتے ہیں۔“ نواب رفعت جاہ بول

ئے۔

”کس شرط پر جناب۔۔۔۔۔ فرمائیے۔۔۔۔۔!“

”آپ انہیں واپس لے کر یہیں آئیں گے۔ میں اپنا اطمینان کیے بغیر انہیں ہرگز نہیں

پوڑوں گا۔!“

”آپ مطمئن رہئے۔۔۔۔۔ میں انہیں یہیں چھوڑ جاؤں گا۔“ سب انسپکٹر نے جواب دیا۔

”شکریہ۔“ نواب رفعت جاہ بولے۔ ”اگر یہ حضرت مجرموں ہی میں سے ہیں تو میں انہیں

طور پر غمال رکھوں گا۔ میں نے ان واقعات کو باقاعدہ رپورٹ اس لئے بھی نہیں دی تھی کہ میں

یہ آدمیوں سے پنہا جانتا ہوں۔۔۔۔۔ بوڑھا ضرور ہو گیا ہوں مگر اب بھی جسم میں اتنی جان رکھتا

ہوں کہ دو چار کو بیک وقت ٹھکانے لگا سکوں۔!“

”ٹھکانے۔۔۔۔۔ لگانے کی مشین ہم نے آج تک نہیں دیکھی۔“ عمران مسکرا کر اٹھتا ہوا

ہوا۔ ”چلئے انسپکٹر صاحب۔!“



اڈلفیا میں سب سے پہلے اس ویٹر کی تلاش ہوئی جس نے عمران کی میز پر کھانا لگایا تھا۔ وہ

مدعی مل گیا۔ اس نے اعتراف کیا کہ کھانا اسی نے عمران کی میز پر لگایا تھا۔

”لیکن“ اس نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ”کشتی میں میں نے کھانا نہیں لگایا تھا۔ بلکہ وہ کشتی

سُلاگا ہوا ہی مجھے ملا تھا۔“

”کھانا کشتی میں کس نے لگایا تھا۔!“ سب انسپکٹر نے سوال کیا۔

”ویٹر نمبر تیرہ نے جناب۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ غلطی سے میرے حلقے کی میزوں میں سے ایک کا آرڈر لے بیٹھا ہے۔ لہذا میں نے کشتی اس کے ہاتھ سے لے لی۔“

”ویٹر نمبر تیرہ کہاں ہے۔“ سب انپکٹر نے پوچھا۔

”نظمیے اسے ابھی بلواتا ہوں۔“ منیجر نے ایک طویل سانس لے کر کہا اور میز پر رکھی ہوئی گھٹی بجائی۔ چڑا سی اندر آیا اس سے ویٹر نمبر تیرہ کو بلانے کے لئے کہا گیا۔

”مگر جناب معاملہ کیا ہے۔“ منیجر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ ”کیا اس کھانے کے متعلق کوئی شکایت ہے۔!“

”مجھے افسوس ہے کہ میں اس کے بارے میں کچھ نہ بتا سکوں گا۔!“

سب انپکٹر نے خشک لہجے میں جواب دیا اور منیجر ایک طویل سانس کے ساتھ کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

کچھ دیر بعد چڑا سی نے آکر اطلاع دی کہ ویٹر نمبر تیرہ غائب ہے۔

”غائب ہے۔۔۔۔!“ منیجر آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”مگر کیوں غائب ہے کیا اس کی ڈیوٹی ختم ہو چکی تھی۔!“

”نہیں صاحب۔۔۔۔ وہ سپروائزر صاحب سے اجازت حاصل کئے بغیر کہیں چلا گیا ہے۔!“

”میں ویٹر نمبر تیرہ کے متعلق ضروری معلومات چاہتا ہوں۔“ سب انپکٹر غرایا۔

”بہت بہتر جناب۔۔۔۔!“ منیجر نے کہا اور چڑا سی سے کہا کہ وہ سپروائزر کو بھیج دے عمران بھی وہاں موجود تھا۔ لیکن وہ ایک لفظ بھی نہیں بولا ویسے اب اس کے چہرے پر حماقت ہی حماقت نظر آرہی تھی۔

سپروائزر نے منیجر کے کمرے تک پہنچنے میں تقریباً دس منٹ لئے۔ وہ ایک دبلا پتلا منحنی سا آدمی تھا۔ آنکھیں اندر کودھنسی ہوئی تھیں اور گالوں کی ہڈیاں بدنمائی کی حد تک ابھری ہوئی تھیں اور وہ شاید صرف ناک ہی سے سانس نہیں لے سکتا تھا کیوں کہ اس کے ہونٹ عموماً کھلے رہتے تھے۔

”ویٹر نمبر تیرہ کہاں ہے۔“ منیجر نے اسے کڑی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”قصود اس کا بھی نہیں ہے جناب۔۔۔۔!“ سپروائزر ناک کے بل بولا۔ ”یہاں یونین بنانے

ن اجازت دے کر مالکان نے سخت غلطی کی ہے جناب۔۔۔۔!“

”میں تم سے کیا پوچھ رہا ہوں۔“ منیجر غرایا۔ ”یونین وغیرہ کا قصہ کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھو۔۔۔۔!“

”وہ مجھ سے پوچھ کر نہیں گیا۔ یہ سرکشی یونین ہی نے سکھائی ہے۔۔۔۔ ابھی کیا ہے۔۔۔۔“

”آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔“ اس نے سب انپکٹر کی طرف ایسی نظروں سے دیکھا جیسے یونین بنانا بھی کوئی جرم ہو۔

”وہ ڈیوٹی پر تھا۔۔۔۔؟“ سب انپکٹر نے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔ جناب۔۔۔۔!“

”اس کی ڈیوٹی کے اوقات ان دنوں کیا تھے۔!“

”چھ سے بارہ بجے رات تک۔۔۔۔!“

”یہاں کب سے کام کر رہا تھا۔“

”پچھلے ہفتے سے۔۔۔۔!“

”کیا وہ۔۔۔۔!“ منیجر یک یک چوٹ کر بولا۔ ”کیا وہ کوئی نیا آدمی تھا۔“

”جی ہاں۔۔۔۔ اپنا پچھلا نمبر تیرہ یہاں پڑ گیا ہے اس لئے اسے عارضی طور پر اس کی جگہ رکھا گیا ہے۔“

”اوہ۔۔۔۔!“ منیجر پھر ایک طویل سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

”ویٹر کا نام اور پتہ۔۔۔۔؟“ سب انپکٹر نے اپنی پاکٹ ڈائری کے ورق الٹتے ہوئے کہا۔

ویٹر کے نام اور پتے کے لئے سپروائزر کو تقریباً سات یا آٹھ منٹ تک غائب رہنا پڑا۔

نام اور پتہ مل جانے کے بعد بھی سب انپکٹر نے سپروائزر اور اس ویٹر کا چیچھا نہیں چھوڑا جس ، عمران کی میز پر کھانا لگایا تھا۔ اس نے منیجر سے کہا ”میں ان دونوں کو تھانے بھجوا رہا ہوں۔“

”کیوں جناب۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔!“ سپروائزر نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

”جب تک کہ اس ویٹر نمبر تیرہ کا پتہ نہیں چلے گا تو تم لوگ حراست میں رہو گے۔!“

ویٹر بھی گڑگڑانے لگا۔۔۔۔ سپروائزر بھی خوف زدہ نظر آ رہا تھا لیکن اس نے اپنی زبان بند

کر لی تھی۔

شاید فیجر کو اس پر غصہ آگیا اور اس نے ذرا سخت لہجے میں اس پکڑ دھک کی وجہ دریافت کی۔
 ”آپ براہ کرم خاموش رہئے“ سب انسپکٹر گرجا۔ ”ورنہ مجھے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔
 آپ کا یہ ہوٹل قتل اور عارت گری کی سازشوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ کیا آپ اس سے بے خبر ہیں!“
 ”کیا مطلب....!“ دفعتاً فیجر کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
 ”کچھ نہیں.... بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ سب انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ فیجر کے کمرے کے
 باہر کا نشیبن موجود تھے۔ انہوں نے سپروائزر اور ڈیٹر کو سنبھال لیا۔
 ”آہ....“ عمران کمرے سے باہر آکر بولا۔ ”ہم اپنا سامان بھی کیوں نہ لیتے چلیں۔ کیونکہ
 اب ہمارا قیام مستقل طور پر سروش محل میں رہے گا۔“
 ”اوہ.... ہاں....!“ سب انسپکٹر یک بیک چونک پڑا جیسے وہ عمران کے متعلق بھول ہی گیا
 ہو۔

”ٹھہریئے ادھر آئیے....!“ وہ دوبارہ فیجر کے کمرے کی طرف بڑھتا ہوا بولا.... کمرے
 میں پہنچ کر اس نے فیجر سے قیام کرنے والوں کا رجسٹر طلب کیا.... وہ دراصل عمران کا صحیح نام
 اور پتہ دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر عمران اپنی جگہ قطعی مطمئن تھا کیونکہ اُس نے اپنا نام کنور سلیم درج کر لیا
 تھا۔ البتہ پتے میں ڈھمپ کی بجائے اپنے شہر کا نام دیا تھا۔
 سب انسپکٹر رجسٹر پر نظر جمائے ہوئے سر ہلاتا رہا۔ پھر اسے بند کر کے عمران کی طرف
 مڑا۔ لیکن کچھ کہے بغیر باہر نکل آیا۔ عمران بڑے پروقار انداز میں چلتا ہوا اس کے ساتھ اڈلفیا کی
 کپاؤنڈ تک آیا۔

”ارے ہم پھر بھول گئے ہمیں یہاں سے اپنا سامان لینا تھا۔“ اس نے کہا۔
 ”ابھی نہیں“ سب انسپکٹر کا لہجہ درشت تھا۔ وہ چلتے ہوئے پولیس کار تک آئے۔
 ”آپ نے رجسٹر والے پتے میں اپنی ریاست کا حوالہ نہیں دیا۔“ سب انسپکٹر نے کار میں
 بیٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں.... ہم عام طور پر یہ نہیں ظاہر کرتے کہ ہم ڈھمپ کے شہر اڈے ہیں اگر ایسا کریں
 تو ہمارا زندہ رہنا محال ہو جائے!“

”کیوں....!“ سب انسپکٹر نے کار اسٹارٹ کر دی۔

”لڑکیاں پھر کہتی ہیں ہمیں آئوگراف کے لئے اور دستخط کرتے کرتے ہمارے ہاتھ دکھ
 جاتے ہیں۔!“

”صورت ایسی ہی ہے آپ کی!“ سب انسپکٹر نے جلتے لہجے میں کہا۔
 ”نہیں.... صورت سے تو ہم بالکل چھٹا معلوم ہوتے ہیں۔“ عمران نے اتنی سنجیدگی سے
 کہا کہ سب انسپکٹر قہقہہ کسی طرح نہ روک سکا۔
 ”اب ہم سروش محل سے پہلے کو توالی چلیں گے۔ کیا ڈی۔ ایس۔ پی سٹی کو توالی میں اس
 وقت موجود ہوگا!“

”کیوں.... کیوں....!“ سب انسپکٹر نے حیرت سے کہا۔
 ”بس یونہی.... ابھی تک ہمارے ساتھ بہت بد تمیزیاں کی گئی ہیں۔ شاہی آداب کا خیال
 نہیں رکھا گیا اب ہم ضلع بھر کے آفیسروں کے سیلوٹ لیتے پھریں گے تاکہ کسی طرح ہمارے
 دل کو قرار آئے۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہمیں.... خود کشی ہی کرنی پڑے گی۔“
 سب انسپکٹر اس انداز میں ہنس رہا تھا جیسے وہ کسی دیوانے کی بکواس سن رہا ہو۔
 کچھ دیر بعد اس نے کہا ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ نواب رفعت جاہ یک بیک اتنے نرم کیوں
 پڑ گئے تھے۔!“

”اوہ.... یہ ہم جانتے ہیں شہ کو شہ پہچانتا ہے۔ آپ لوگ تو صرف چوروں کو پہچانتا جانتے ہیں۔!“
 ”کیا آپ مجھ پر کسی قسم کی چوٹ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔!“
 ”نہیں.... ہم کنفیو شس کے قائل ہیں اور کنفیو شس کے زمانے میں سب انسپکٹر نہیں
 ہوا کرتے تھے۔“

”اچھا اب آپ براہ کرم خاموش رہئے۔!“
 عمران خاموش ہو گیا۔ کار سنسان سڑکوں پر دوڑتی رہی غالباً اب وہ سروش محل ہی کی
 طرف جا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد عمران نے ٹھنڈی مٹائی لے کر کہا۔ ”کاش ہم اس وقت ڈھمپ میں ہوتے۔“
 ”اب بہت جلد ڈھمپ پہنچ جائیں گے۔ فکر نہ کیجئے۔“ سب انسپکٹر نے مسکرا کر کہا۔ ”میں تو

اسی وقت پہنچا دیتا مگر نہ جانے کیوں نواب صاحب ڈھیلے پڑ گئے ہیں۔“
 ”خیر پھر سہی....“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔ کارسروش محل جانے والی سڑک پر دوڑتی رہی۔

”نواب رفعت جاہ کے تودر جنوں بچے ہوں گے۔“ عمران نے پوچھا۔
 ”نہیں وہ لاولد ہیں انہوں نے شادی نہیں کی تھی۔“ سب انسپکٹر نے جواب دیا۔
 ”ارے تو اتنی بڑی عمارت میں تنہا رہتے ہیں۔“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔
 ”نہیں بہترے بھانجے جیتھے ہیں ایک بچا بھی ہے۔“
 ”خیر.... خیر.... ہم دراصل یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہاں ہمارا دل تو نہ گھبرائے گا۔“
 ”قطعی نہیں شہزادے صاحب....“ سب انسپکٹر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔
 عمران خاموش ہی رہا۔ پتہ نہیں وہ اب مصطفیٰ خاموش ہو گیا تھا یا یہ نیند کا دباؤ تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ سروش محل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔

رفعت جاہ ابھی تک سوئے نہیں تھے اس بار عمران نے ان کے رویہ میں کافی تبدیلی محسوس کی۔ اس نے انہیں سب انسپکٹر سے کہتے سنا۔ ”بھئی میری عقل خط ہو گئی تھی۔ یہ بیچارے تو میرے محسن ہیں۔“

”آپ خود بیچارے۔“ عمران نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ ”ہمارے ڈھمپ میں بیچارہ یتیم کو کہتے ہیں۔“
 ”اوہ مجھے افسوس ہے۔“ رفعت جاہ بولے۔

”ابھی ہمارے حضور ابا با حیات ہیں۔ اس لئے ہم بیچارے نہیں ہو سکتے آئندہ ڈھمپ کے کسی باشندے کو بغیر تحقیق بیچارہ نہ کہئے گا۔“

سب انسپکٹر عمران کو بکواس کرتے ہوئے چھوڑ کر چلا گیا۔

”اب بتائیے جناب....“ رفعت جاہ ایک طویل سانس لے کر بیٹھے ہوئے بولے۔
 ”کیا بتائیں.... ہم اگر کچھ کہیں گے تو آپ کے شبہات میں ترقی ہوگی۔“

”نہیں کچھ تو فرمائیے۔“

”آپ فراڈ ہیں۔“ عمران نے بڑی سادگی سے کہا۔

”کیا مطلب....“

”فراڈ کا مطلب ہے دھوکے باز کہنے تو عربی، فارسی، سندھی، کمرانی اور پنجابی میں بھی مطلب بتائیں۔“

”آپ ہوش میں ہیں یا نہیں۔“ رفعت جاہ کو غصہ آ گیا۔

”شفق پرستی قسم کے کسی مذہب کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔“ عمران بولا۔ ”کیونکہ خود شفق علیحدہ سے کوئی وجود نہیں رکھتی۔ زمانہ قدیم میں مظاہر پرستی ہوتی تھی۔ لیکن صرف ان مظاہر کو معبود بنایا جاتا تھا جو انسانی زندگی پر کسی نہ کسی طرح اثر انداز ہو سکیں۔ مثلاً چاند اندھیرا دور کرتا ہے۔ اس لئے اس کی پوجا کی جاتی تھی۔ سورج سے حرارت اور روشنی ملتی ہے اس لئے اسے معبود بنایا گیا تھا۔ ستارے اندھیری راتوں میں رہنمائی کرتے ہیں اس لئے ان کی پرستش کی جاتی تھی۔ ہم دنیا کے سارے مذاہب پر تھوڑی بہت نظر رکھتے ہیں۔ لیکن ہمیں آج سے پہلے شفق پرستوں کے وجود کا علم نہیں تھا۔“

”آپ نے مجھے فراڈ کیوں کہا۔“ رفعت جاہ کی آواز اب بھی غصیلی ہی تھی۔

”ممکن ہے بے خودی میں کہہ دیا ہو آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا۔“

”میں آپ پر ازالہ حیثیت عربی کا دعویٰ کروں گا۔“

”نہیں ایسا نہ کیجئے گا۔“ عمران نے غم ناک لہجے میں کہا۔ ”ورنہ اگر عدالت میں بھی ہم پر

بے خودی طاری ہو گئی تو ہم پچاسی پر چڑھا دیئے جائیں گے۔“

نواب رفعت جاہ کو اس جملے اور کہنے کے انداز پر بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

”آخر آپ ہیں کیا بلا....“ انہوں نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”بلائے بے درماں....“ عمران نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔ ”لیکن ہم سوچ رہے

ہیں کہ آپ بھی بڑے دل گردے والے معلوم ہوتے ہیں۔ اگر کسی اور کی خواب گاہ میں ڈاکا

لاٹ بٹ برآمد ہوتا تو وہ ہفتوں بیہوش پڑا رہتا۔“

”میری زندگی ہمیشہ ہی سے ہنگامہ آفریں رہی ہے۔“ نواب رفعت جاہ نے جواب دیا۔

”آپ وہ تینوں تصویریں انہیں دے کر اپنا پیچھا کیوں نہیں چھڑاتے۔“

”ہاں ہاں....“ اس لمبی ”ہاں“ کے ساتھ رفعت جاہ کو پھر غصہ آ گیا اور وہ گرج کر بولے

”میں تمہیں بطور یہ غمال رکھوں گا۔ سمجھے.... اگر میرے خاندان والوں میں سے کسی کو بھی

”عائشہ! ہم نے بھی یہی کہا تھا۔“ عمران بولا۔
 ”سر سلطان میرے عزیز ہیں۔ میں ابھی انہیں ٹرک کال کرتا ہوں۔“
 ”ضرور..... ضرور.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ان سے پوچھئے کہ شہزادہ ڈھمپ کس پائے آدمی ہے۔“



رفت جہ عمران کو بھی اس کمرے میں ساتھ لے گئے..... جہاں فون رکھا ہوا تھا۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ سر سلطان سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔
 ”کیوں.....؟ رفت..... کیا بات ہے خیریت ہے نا.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
 ”خیریت ہی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ کسی پرنس آف ڈھمپ کو جانتے ہو یا نہیں!“
 ”پرنس آف ڈھمپ.....!“ سر سلطان کے لہجے میں حیرت تھی ”کیوں۔“
 ”اوہ..... بھی معاف کرنا میں نے خواہ مخواہ تمہیں اس وقت تکلیف دی اس نے کہا تھا کہ تم اسے جانتے ہو۔!“

”تو میں نے کب کہا کہ نہیں جانتا۔!“
 ”جانتے ہو..... وہ اس وقت یہیں میرے پاس موجود ہے۔!“
 ”مگر کیوں موجود ہے.....؟“ سر سلطان نے پوچھا۔
 ”یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ کبھی اطمینان سے بتاؤں گا۔ بس میں اتنا ہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ حقیقتاً کسی ریاست کا کنور ہے یا فراڈ ہے۔!“
 ”ذرا فون اسے دینا۔“ سر سلطان نے کہا اور نواب رفت جہ نے ریسیور عمران کی طرف بڑھا دیا۔

”ہیلو.....!“ عمران نے سر سلطان کو مخاطب کیا۔

”عمران۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”پرنس آف ڈھمپ اسپیکنگ..... ہیلو.....!“

”اوہ..... ڈھمپ صاحب آپ وہاں کیا فرما رہے ہیں۔!“

ذرا برابر گزرتا تو میں تمہاری ہڈیاں تک پیس ڈالوں گا۔!“
 ”اور اس پے ہوئے کنور سلیم کو چٹنی کہیں گے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”کان کھول کر سن لو۔“ نواب رفت جاہ برابر گرجتے رہے ”میرے جسم میں اب بھی اتنی قوت ہے کہ تم جیسوں کو تنہا ٹھیک کر سکوں۔!“

”ہمارے ابا حضور بھی ہمیں آج تک ٹھیک نہیں کر سکے۔ اگر آپ ہمیں ٹھیک کر سکیں تو ہم بے حد ممنون ہوں گے۔ ورنہ خدشہ ہے کہ مرتبہ ولی عہدی سے کھسکا دیئے جائیں۔ اس صورت میں یقیناً ہماری چٹنی بن جائے گی..... کیونکہ نہ تو ہم سے نوکری ہو سکتی ہے اور نہ ہم تزکاریاں بیچ سکتے ہیں۔ مگر..... ہام..... نواب صاحب ہمیں بڑی حیرت ہے کہ اتنا ہنگامہ ہو گیا لیکن آپ کے خاندان والوں میں سے ایک آدمی بھی نہ دکھائی دیا۔!“

”کیا اب تم میرے نجی معاملات میں بھی دخل ہونا چاہتے ہو۔“ نواب رفت جاہ بگڑ کر بولے۔
 ”پھر ہم یہاں کس لئے تشریف رکھتے ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے شاید ہم سر و ش محل میں بالکل اپنے گھر کی طرح رہیں گے۔“

”اس خیال میں نہ رہنا..... میں تم سے اگلوں کا کہ تم کون ہو اور تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے۔“
 ”کتنی دیر سے اگل رہے ہیں کہ ہم شہزادہ ذی جاہ پرتول الملک خنجر الملت اور اس کے علاوہ جل اشعراء بھی کیونکہ شاعری بھی کرتے ہیں..... اور مزید ڈیڑھ درجن خطابات کے ساتھ سلیم الدین مستقبل کے والے ڈھمپ ہیں۔“

”میں کہتا ہوں راہ پر آجاؤ۔ ورنہ تمہارا انجام بہت بُرا ہوگا۔“
 ”کیا آپ کو ہمارے شہزادہ ڈھمپ ہونے پر شبہ ہے۔!“
 ”کیا تمہیں یہاں کا کوئی بڑا آدمی شہزادے کی حیثیت سے جانتا ہے۔!“
 ”اوہ..... تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کے سراغ رساں نے غلط کہا تھا۔!“
 ”اب مجھے اس پر بھی اعتماد نہیں رہا۔!“

”اچھا تو سنئے..... ہم سے کئی وزیر اچھی طرح واقف ہیں۔ محکمہ داخلہ کے سیکرٹری سر سلطان ہمیں اس طرح جانتے ہیں جیسے..... جیسے.....!“
 ”سر سلطان جانتے ہیں تمہیں۔!“

”ہم پر نواب رنعت جاہ اپنے خلاف ایک سازش کا شبہ کر رہے ہیں۔“

”قصہ کیا ہے....؟“

”ہاں نواب صاحب یہیں موجود ہیں کیا انہیں ریسور دے دوں۔“

”اچھا اچھا ٹھیک ہے۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”پھر سہی۔!“

عمران نے ریسور رنعت جاہ کو تھما دیا اور خود چوگم کچلنے لگا کچھ دیر تک رنعت جاہ گفتگو کرتے رہے پھر سلسلہ منقطع کر دیا۔

”ہاں جناب اب کیا خیال ہے....!“ عمران نے کہا۔

”پچھلا خیال بدل دینا پڑا....!“ رنعت جاہ مسکرائے ”مجھے اپنے رویہ پر سخت ندامت ہے۔!“

”کوئی بات نہیں ہم صبح تک سب کچھ بھول جائیں گے۔!“

وہ رات عمران نے سروش محل کے ایک آرام دہ کمرے میں بسر کی اور صبح ہوتے ہی اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ سب سے پہلے اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ رنعت جاہ کے اپنے خاندان والوں سے کیسے تعلقات ہیں۔ پچھلی رات اسے بڑی حیرت ہوئی تھی۔ جب اتنا ہنگامہ ہونے کے باوجود بھی رنعت جاہ کا کوئی عزیزان کے قریب نہیں پھٹکا تھا۔

لیکن اب اسے معلوم ہوا کہ رنعت جاہ کے حکم کے مطابق کوئی بھی نوبچے کے بعد کمرے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ خواہ حالات کچھ بھی ہوں۔

عمران نے فی الحال رنعت جاہ کے اعزاء سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔

دوپہر کا کھانا اس نے رنعت جاہ کے ساتھ کھایا۔ کھانے کی میز پر رنعت جاہ کی ایک بھانجی نجمہ بھی تھی۔ عمران نے اس کے متعلق معلوم کیا تھا کہ وہ زبردستی رنعت جاہ کے سر پر سوار رہتی ہے ورنہ رنعت جاہ تو بہت زیادہ تنہائی پسند واقع ہوئے تھے۔ عمارت کے جس حصے میں ان کا قیام تھا وہاں ان کے خاندان والوں کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ بات یہ نہیں تھی کہ رنعت جاہ اپنے متعلقین سے متفرق تھے یا ان میں سے کسی کی طرف ان کے دل میں کدورت تھی۔ بلکہ انہیں زیادہ بھیڑ بھڑ سے وحشت ہوتی تھی یہ خود انہیں کا بیان تھا۔ حقیقت کیا تھی اس کا علم کسی کو بھی نہیں تھا۔ لیکن یہ لڑکی نجمہ ان کی جھڑکیاں سننے کے باوجود بھی یہاں گھسی رہتی تھی۔

دیے عمران نے بھی اس کے متعلق اندازہ لگایا تھا کہ یہ کچھ کریک سی ہے۔ ہنستی ہے تو ہنستی

ہی چلی جاتی ہے۔ مگر آنکھوں سے قطعی نہ معلوم ہوتا کہ وہ ہنس رہی ہے۔ بس اس کے دانت نکل پڑتے اور ہنسی کی آواز کبھی دوہری ہو جاتی اور کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے اس سے مختلف قسم کی لاتعداد آوازوں کی شاخص پھوٹ رہی ہوں۔ گفتگو کرتے وقت شاید وہ اس پر دھیان ہی نہیں دیتی تھی کہ اس کی زبان سے کس قسم کے الفاظ نکل رہے ہیں کبھی کبھی وہ خود کو مذکر بھی بولنے لگتی۔ اگر ایسے میں دھیان آجاتا تو فوراً کہتی آپ کچھ خیال نہ کیجئے گا میں سالا آدھالا کا ہوں۔

کھانے کی میز پر بھی یہی واقعہ پیش آیا اور نواب رنعت جاہ ہتھے سے اکھڑ گئے۔

”تمہاری زبان قابو میں کیوں نہیں رہتی۔ بالکل لفتگوں کی سی باتیں کرنے لگتی ہو۔!“ انہوں نے غصیلی آواز میں کہا۔

”ارے.... تو بہ تو بہ....!“ وہ اپنا منہ بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”اب سالا نہیں کہوں گا۔ نکل ہی جاتا ہے زبان سے ماموں جان سالے الفاظ بھی.... روپ“ اس نے اپنا منہ دبایا۔

”اچھا خاموش بیٹھو....!“

اس نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بند کر لئے۔ اور نوالہ ہاتھ میں لئے بیٹھی رہی کچھ دیر بعد رنعت جاہ پھر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”ارے یہ تم اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔“ انہوں نے پوچھا۔

”آپ نے خاموش بیٹھنے کو کہا تھا اور میں نے سوچا کہ ہونٹ بند کر لوں اگر ہونٹ کھلتے ہیں تو زبان بھی سالی چلنا چاہتی ہے.... اوہو.... جناب آپ تکلف کر رہے ہیں۔“ اس نے دفعتاً عمران سے کہا اور عمران بوکھلاہٹ کی ایکٹنگ کرتا ہوا نوالہ کان کی طرف لے جانے لگا۔

”ہائیں.... ہائیں....!“ نواب رنعت جاہ نے اسے ٹوکا۔

”اوہ.... ساری پلیز....!“ عمران نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا ”ہم بالکل گدھے ہیں۔ نواب صاحب آپ بالکل خیال نہ فرمائیے گا۔!“

”میں نے سنا ہے کہ گدھوں کو اپنے گدھے پن کا احساس ہو جائے تو اُسے قرب قیامت کی دلیل سمجھنا چاہئے۔“ نجمہ بول اٹھی۔

”ہم قیامت سے بہت قریب ہیں محترمہ کنفیو شس نے کہا تھا.... ہائیں کیا کہا تھا؟ ابھی تو یاد تھا جو کچھ کہا تھا۔ خیر کنفیو شس نے اس مسئلے پر بھی کچھ نہ کچھ ضرور کہا ہو گا۔!“

”بھئی کھانے پر خاموش ہی رہنا چاہئے۔“ رفعت جاہ چڑ کر بولے۔

”ہمارے ہونٹ ہمیشہ کھلے رہتے ہیں نواب صاحب کیوں کہ ہم ناسلو کے شکار ہیں۔“

”ہائیں آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا۔“ نجمہ یک بیک میز سے اٹھ گئی۔ ”یہ سالی چھوت کی

بیاری ہے۔!“

”نجمہ تمیز سے بیٹھو یا چلی جاؤ۔“ رفعت جاہ بگڑ گئے۔

نجمہ پھر خاموش ہو گئی۔ لیکن اس کے چہرے سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ رفعت جاہ کی

سرزنش اسے گراں گزری ہے اس کے ہر انداز میں بچپنا ٹپکتا تھا۔

کھانے کے بعد بھی عمران نے رفعت جاہ کا پیچھا نہ چھوڑا نجمہ جاچکی تھی۔ اور رفعت جاہ

پائپ سلگا کر آرام کر سی پر نیم دراز ہو چکے تھے۔ عمران نے پھر ان تینوں تصویروں کا ذکر چھیڑا۔

”میں وہ تصویروں کسی قیمت پر بھی نہیں دے سکتا۔“ رفعت جاہ نے عمران کو گھورتے

ہوئے کہا۔ ”اگر ان لوگوں نے شرافت سے استدعا کی ہوتی تو شاید میں انہیں تحفہ پیش کر دیتا

مگر ایسی صورت میں..... ہونہ..... میری رگوں میں بھی خون ہی ہے..... پانی نہیں۔!“

”لیکن اگر آپ کی رگیں پانی قبول کرنے کے قابل نہ رہ گئیں تو۔!“

”میں زندگی کو کھلونا سمجھتا ہوں صاحب زادے۔!“

”مگر سنئے تو سہی..... وہ صرف تصویریں چاہتے ہیں..... تصویروں انہیں آپ ہی سے ملیں

گی آپ کی لاش سے نہیں۔ پھر انہوں نے تصویروں حاصل کیے بغیر آپ کو مار ڈالنے کا پروگرام

کیوں بنا ڈالا تھا۔“

رفعت جاہ چند لمحوں سے گھورتے ہوئے پھر مسکرا کر بولے ”کبھی تم پر لے سرے کے عقل

مند معلوم ہوتے ہو اور کبھی نرے گاؤدی..... آخر اس کی کیا وجہ ہے..... دیکھو لڑکے..... اگر

سر سلطان نے تمہارا پورا حلیہ بیان نہ کیا ہوتا تو میں.....!“

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئے۔

”میرا استاد مریخ ہے۔ جب زل اے آنکھ مارتا ہے تو وہ شرمناک سر جھکا لیتا ہے۔ اور ہم

نرے گاؤدی نظر آنے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ خود سیٹیاں بجا بجا کر زہرہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے

کی کوشش کرتا ہے تو ہم میں دوسروں کو عقل مندی کی جھلکیاں نظر آنے لگتی ہیں۔“

”تم جو کوئی بھی ہوا انتہائی درجہ خطرناک آدمی بھی ثابت ہو سکتے ہو۔ میرا ساٹھ سالہ تجربہ

یہی کہتا ہے..... تمہیں اس پر حیرت ہے کہ انہوں نے تصویروں حاصل کئے بغیر میرے پنگ

کے نیچے ڈائنامیٹ کیوں رکھ دیا تھا۔“

”ہونی ہی چاہئے۔ قدرتی بات ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”وہ دراصل مجھے اتنا زیادہ خوف زدہ کر دینا چاہتے ہیں کہ چپ چاپ تینوں تصویروں ان کے

حوالے کر دوں تمہارے ذریعہ انہوں نے دراصل مجھے یہ بات سمجھانی چاہی ہے کہ وہ ہر وقت

میرا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اب تم یہی دیکھ لو کہ یہاں کے محافظوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر

وہ اپنا کام کر گئے۔ میری خواب گاہ میں کسی کا داخلہ آسان نہیں ہے اور سارا شہر جانتا ہے کہ میں

کس قسم کا آدمی ہوں۔“



اسی شام کو عمران بد بد سے جا نکلے۔ بد بد بھی شاید اس سے مل بیٹھنے کا موقع تلاش کر رہا تھا۔

”جج جناب والا۔ آپ کو یہاں..... دو..... دیکھ کر.....!“

”حیرت ہوئی ہے۔“ عمران نے مسکرا کر جملہ پورا کر دیا۔ ”لیکن تم یہاں کہاں۔!“

”مم مقدر..... جج جناب..... یہاں میری تعیناتی ہوئی تھی..... بھگت اللہ..... بخوبی لگ کام کرتا

رہا..... لیکن پھر پتہ نہیں لگ کیوں..... مجھے ڈسپارچ کر دیا گیا۔ امور مملکت خویش خرواں دانند.....!“

”خرواں نہیں نوشیرواں۔“ عمران بولا۔

”آپ بھڑھول رہے خرواں درست ہے۔!“

”کیا تم مجھ سے بحث کرو گے۔“ عمران نے غصیلی آواز میں کہا۔

”نہیں جناب..... نوشیرواں ہی ہو گا۔!“

”ٹھیک ہے تم اب بھی پہلے ہی کے سے سعادت مند ہو۔!“

”مگر جناب میں یہ سوچتے سوچتے پیانگل ہو جاؤں گا کہ آخر مجھے ڈسپارچ کیوں کیا گیا۔!“

”محض اس لئے کہ تم پیانگل کو پیانگل کہہ کر اس کے پیانگل پن میں مزید اضافہ کر دیتے ہو۔!“

”اب میں اس کلت کو کیا کروں..... یہ تو پیدائشی ہے۔!“

”میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔!“

”پپ..... پیٹ بڑا اچھا..... راہبر ہے جناب!“

”بھئی فلمی ڈائلاگ نہ بولو!“

”ہاں! جج جناب..... یقین کیجئے میں نوکری کی تلاش میں نواب صاحب کے پاس آیا انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ میرا تعلق محکمہ براغ رسانی سے رہا ہے تو انہوں نے فوراً ہی مجھے ملازم رکھ لیا!“

”مگر کس لئے؟ تم یہاں کون سی خدمت انجام دے رہے ہو!“

”نواب صاحب کے خلاف کسی سازش کا پتہ لگانے کی کوشش کر رہا ہوں!“

”کس قسم کی سازش کیا تمہیں تفصیل کا علم نہیں ہے!“

”نہیں جناب..... مجھے تفصیل کا کل تک علم نہیں تھا۔ مگر آج تو یہ کہانی ہر ایک کی

زبان پر ہے۔

”کیسی کہانی!“

”شفق کے پجاریوں کی..... مگر..... دو..... دیکھئے..... جناب..... یہاں مجھے ہد

نہ فرمائیے گا ورنہ میری عزت خاک میں مل جائے گی!“

”نواب رفعت جاہ کے متعلق تمہارا کیا اندازہ ہے!“

”اندازہ..... م..... میں نہیں سمجھا.....!“

”یہ شخص جھوٹ کس رفتار سے بول سکتا ہے!“

”پتہ نہیں جناب..... مگر..... آخر انہیں جھوٹ بولنے کی..... کیا ضرورت ہو سکتی ہے!“

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص..... کم از کم پچاس فیصدی جھوٹ بولتا ہے۔“

”میں نے نہیں محسوس کیا۔“

”اب محسوس کرنے کی کوشش کرو۔“

”بہت بہتر..... جج جناب..... اب میں دیکھوں گا۔“



دوسرے دن عمران نے ایک نئی خبر سنی۔ سب انسپکٹر نواب رفعت جاہ کو حالات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ صبح ہی صبح آکر اس نے اطلاع دی اؤلفیا کا وہ ویٹر جس نے عمران کے لئے کھانا منتخب

کیا تھا مل تو گیا ہے لیکن اس کی ذہنی حالت ایسی نہیں ہے کہ اس کے کسی بیان پر اعتماد کیا جاسکے..... کیا اسے سرشام..... سرشام..... نہیں کیا کہتے ہیں۔ عمران پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا۔ ”سرشام“ نواب رفعت بڑبڑائے۔

”اوہاں..... شکریہ سرسام..... کیا اسے سرسام ہو گیا ہے۔!“

”نہیں اسے بخار نہیں ہے۔ سرے سے کوئی مرض ہی نہیں ہے۔ لیکن وہ ہوش میں نہیں معلوم ہوتا۔ یہ میزبان یا کسی دوسرے انارڈی کی رائے نہیں بلکہ ذہنی امراض کے ایک ماہر کا خیال ہے۔!“

”یعنی وہ اچانک اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“

”ماہر نے وجہ بتائی ہوگی۔!“

”بتائی تو تھی لیکن تفصیل مجھے یاد نہیں۔!“

”ارے یہ کوئی بڑی بات ہے۔“ رفعت جاہ میز پر ہاتھ مار کر بولے۔ ”جس نے بھی اسے کام پر آمادہ کیا تھا کھیل بگڑتے دیکھ کر اسے اس قابل نہ رہنے دیا کہ وہ اپنا بیان دے سکے۔!“

”جی ہاں۔!“ سب انسپکٹر سر ہلا کر بولا۔ ”ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔“

”ہمارا خیال اس سے مختلف ہے۔“ عمران نے احقانہ انداز میں کہا۔

”فرمائیے.....!“ رفعت جاہ کے لہجے میں طنز تھا۔

”ہمارا خیال ہے کہ وہ ویٹر غم غلط کرنے کے لئے چرس پینے لگا ہے۔!“

”اگر آپ اپنے خیالات کا اظہار نہ کیا کریں تو بہتر ہے۔“ سب انسپکٹر نے کہا۔

”آئندہ ہم احتیاط برتیں گے۔!“ عمران نے خوش مزاجی کے مظاہرے کے ساتھ کہا۔

اچانک وہ شور سن کر چونک پڑے۔ آواز باہر سے آئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کپاؤنڈ میں کوئی جنگلی ہاتھی گھس آیا ہو۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب آئے اور پھر دوسرے ہی لمحے میں عمران نے رفعت جاہ کو دروازے کی طرف بھاگتے دیکھا پھر سب انسپکٹر بھی ادھر ہی بڑھلا۔ اس کے بعد عمران کے قدم اٹھے۔ وہ کپاؤنڈ میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک آدمی جس کا لباس تازتار ہو کر جسم پر جھول رہا تھا۔ اچھلتا کودتا نظر آیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈنڈا تھا دوسرے ہاتھ میں بڑا سا

وہ ایک کرسی میں گر گئے۔ عمران اور سب انسپکٹر خاموش بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد نواب صاحب نے رومال سے اپنا چہرہ صاف کیا اور پائپ میں تمباکو بھرنے لگے۔

”یہ کیا قصہ تھا جناب.....!“ سب انسپکٹر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
 ”ارے بھی کیا بتاؤں۔“ وہ متضمل آواز میں بولے۔ ”ان پر کبھی کبھی اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔!“

”کب سے.....!“

تقریباً چھ ماہ سے..... یہ ذرا صل یہاں نہیں رہتے تھے میں ہی انہیں یہاں لایا ہوں تاکہ ان کا علاج ہو سکے۔ لیکن ابھی تک ان کی حالت نہیں سمجھ سکی۔ ذہنی امراض کے ماہر ترین معالج بھی حیران ہیں کہ یہ کس قسم کے دورے ہیں۔!“

”ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔!“ عمران بول پڑا۔

”کیوں.....!“ رفعت جاہ اور سب انسپکٹر ایک ساتھ بول پڑے۔

”ان پر پری کا سایہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک بار ہمارے ابا حضور پر بھی پری کا سایہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سارے مصائب کو دھکے دے کر نکلوا دیا۔ اور ان کی جگہ اتنے ہی قوال رکھ لئے..... پھر تو سارے ڈھمپ میں قوالی کا وہ زور ہوا کہ لوگ ایک دوسرے سے کو ”ہے دا“ کہہ کر مخاطب کرنے لگے اللہ ماشاء..... ہاں تو ہم بھی یہ کہہ رہے تھے کہ پری پر ان کا سایہ ہو گیا ہے۔“

”آپ اپنی زبان بند رکھیں تو بہتر ہے۔“ سب انسپکٹر ہاتھ اٹھا کر بولا۔

”زبان..... بند رکھیں.....“ عمران نے حیرت سے کہا۔ ”ارے زبان کو تو آپ حوالا میں بھی بند نہیں کر سکتے۔!“

”میں بند کر سکتا ہوں بشرطیکہ نواب صاحب اجازت دے دیں۔“ سب انسپکٹر غرایا۔

”آپ انہیں اجازت دے دیجئے۔!“ عمران نے احمقانہ انداز میں کہا۔

”بھئی ختم بھی کیجئے اس قصے کو..... میں اس وقت بہت الجھن میں ہوں۔ میرے چچا کی بیماری تو خیر تھی ہی لیکن اس وقت.....!“

نواب رفعت جاہ خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔

”فرمائیے..... جناب.....!“ سب انسپکٹر نے بڑی مستعدی سے کہا ”اگر میرے لائق

چاقو۔ کچھ لوگ اسے پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن اس کے قریب جانے کی ہمت ان میں نہیں تھی۔ یہ رفعت جاہ کے محافظ تھے۔ رفعت جاہ بھی انہیں میں جا ملے۔

”اور یہ تو نواب صاحب کے چچا ہیں۔“ سب انسپکٹر تشویش کن لہجے میں بڑبڑایا۔ اور پھر عمران نے بھی اسے پہچان لیا۔ اسے یہی بتایا گیا تھا کہ وہ رفعت جاہ کا چچا ہے مگر عمران کو اس پر یقین کر لینے میں کچھ تاثر ضرور ہوا تھا۔ کیونکہ عمر کے اعتبار سے چچا ہی بھتیجا معلوم ہوتا تھا۔ رفعت جاہ عمر میں اس سے بہت بڑے تھے۔ لیکن اسے اس حال میں دیکھ کر عمران کو حیرت ہوئی۔ اس سے پہلے اس نے اس کے متعلق اندازہ لگایا تھا کہ وہ ٹھنڈے مزاج کا ایک کم خن اور سنجیدہ آدمی ہے۔

نواب رفعت جاہ کچھ بدحواس سے نظر آنے لگے تھے۔ ساتھ ہی وہ محافظوں کو ہمت دلانے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔

بدقت تمام وہ لوگ اسے قابو میں کر سکے۔ کئی کے ہاتھ اس کے دانتوں سے زخمی ہو گئے تھے۔ پھر کچھ دیر عمران کو الجھن میں جتلا رہنا پڑا کیوں کہ نواب رفعت جاہ محافظوں کے ساتھ عمارت کے اس حصے کی طرف گئے تھے جہاں ان کے اعز کا قیام تھا۔

سب انسپکٹر بھی شاید اس ہنگامے کی وجہ ہی معلوم کرنے کے لئے رک گیا تھا۔ عمران نے ملازمین سے کچھ معلوم کرنا چاہا لیکن کسی نے بھی کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا۔

”کیا غصے کی حالت میں ایک ہاتھ میں ڈنڈا اور دوسرے میں چاقو رکھنا چاہئے۔“

”مجھے افسوس ہے کہ نواب صاحب نے آپ کو اپنا مہمان بنالیا ہے ورنہ بتاتا۔!“ سب انسپکٹر چڑ کر بولا۔

”فرض کر لیجئے کہ ہم نواب صاحب کے مہمان نہیں ہیں۔!“

”اگر میں نے فرض کر لیا تو آپ جیل میں ہوں گے۔!“

”ہاں ہم عنقریب یہاں کی جیلوں کا معائنہ کرنے والے ہیں۔!“

سب انسپکٹر کچھ نہ بولا۔ وہ قدموں کی آوازوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی۔ رفعت جاہ کمرے میں داخل ہوئے ان کی پیشانی پر پسینے کی بوندیں تھیں اور اس طرح ہانپ رہے تھے جیسے کسی ساڑے زور آزمائی کر کے آئے ہوں۔

کوئی خدمت....!“

”سو فیصدی آپ ہی کے لائق ہے۔!“

”ضرور فرمائیے۔!“

”یہ لیجئے.... اسے دیکھئے۔“ نواب رفعت جاہ نے کاغذ کا ایک ٹکڑا سب انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”مجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کو تلاش کہاں کیا جائے۔!“

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ پھر خدمت کیا کریں گے۔“ رفعت جاہ کے لہجے میں طنز تھا۔ ”دیکھئے.... ٹھہریئے.... فی الحال ہمارے پاس دو ایسے آدمی ہیں جن کے ذریعہ مجرموں تک رسائی ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ حضرت اور دوسرا وہ ویٹر جس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔!“

”تو اپنا ہی ذہنی توازن کہاں ٹھیک ہے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ کبھی بلی کی طرح میاؤں میاؤں کریں اور کبھی کتوں کی طرح بھونکنے لگیں۔ یہ ہماری لیاقت ہے کہ ہم جو کچھ سوچتے ہیں کر نہیں گزرتے ورنہ ہم بھی غیر متوازن دماغ والے قرار دیئے جاسکتے ہیں۔!“

”ان سے آپ کیا معلوم کر سکیں گے۔“ رفعت جاہ نے عمران کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”میں تصدیق کر چکا ہوں کہ یہ ڈھمپ کے شہزادے ہیں لیکن میں آج بھی نہیں بتا سکتا کہ یہ ریاست کہاں ہے۔!“

”کہاں سے تصدیق ہوئی ہے۔!“

”وزارت خارجہ کے سیکریٹری سر سلطان ان سے ذاتی طور پر واقف ہیں۔!“

”نہیں۔!“ سب انسپکٹر کے لہجے میں حیرت تھی۔

رفعت جاہ پائپ کو دانتوں میں دبا کر سلگانے لگے۔

عمران خاموش بیٹھا رہا۔ سب انسپکٹر اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ ویسے عمران کی نظر کاغذ کے اس ٹکڑے پر تھی جو رفعت جاہ نے سب انسپکٹر کو دیا تھا۔

دفعتاً اس نے سب انسپکٹر سے پوچھا۔ ”یہ کاغذ کیا ہے۔!“

”خود ہی دیکھ لیجئے۔!“ سب انسپکٹر نے وہ کاغذ عمران کی طرف بڑھا دیا۔

عمران نے آنکھوں سے رفعت جاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کاغذ لے لیا۔ رفعت جاہ کے چہرے سے صاف پڑھا جاسکتا تھا کہ انہیں اس کا عمران کے ہاتھوں میں پہنچنا گراں گزر رہا ہے۔ عمران نے اس کی پروا کئے بغیر اس تحریر پر نظریں جمادیں جو کاغذ پر انگریزی حروف میں پپ کی گئی تھی۔

رفعت جاہ! کیوں شامت آئی ہے۔ اگر میں چاہوں تو تمہارا یہ چچا ہی تمہارے لئے ایک مستقل دروسر بن سکتا ہے میں اسے اس حال کو بھی پہنچا سکتا ہوں کہ اسے کبھی ہوش ہی نہ آئے اور یہ تمہارے خاندان کے ایک ایک فرد کو ہلاک کر ڈالے میرا خیال ہے کہ یہ تنبیہ تمہارے لئے کافی ہوگی تصویریں اب بھی میرے حوالے کر دو۔

(پجاری)

عمران نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور رفعت جاہ کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا ”ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سارا خاندان خاک میں مل جائے گا لیکن آپ تصویریں اسے نہ دیں گے۔!“

”آپ کا خیال بالکل درست ہے....!“ رفعت جاہ مسکرائے۔

”کیا آپ کو خاندان والوں سے محبت نہیں ہے۔!“

”ہے کیوں نہیں لیکن میں نے آج تک کسی بھی معاملے میں دوسروں کے سامنے سر نہیں جھکایا....!“

”اچھا آپ وہ تصاویر ہمیں تحفہ دے دیجئے۔“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”یہ ممکن ہے مگر ابھی نہیں۔ ابھی تو مجھے اس پجاری اور اس کے حواریوں سے سمجھنا ہے۔!“

”کیا وہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا چکا ہے۔!“

”نہیں لیکن یہی کیا کم ہے کہ وہ مجھے چیلنج کر رہا ہے۔ یہی کیا کم ہے کہ وہ آزادانہ اس طرح یہاں داخل ہو کر مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔!“

”لیکن یہ پرچہ آپ تک کیسے پہنچا۔!“

”یہ پرچہ اسی کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا جس میں چاقو تھا۔!“

”کمال ہے....!“ سب انسپکٹر آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا۔

”آپ کے چچا کا نام کیا ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”پرنس قدیر کہلاتے ہیں۔“

”مگر ہم کیسے یقین کر لیں کہ وہ آپ کے چچا ہیں۔“

”بھئی آپ خاموش ہی بیٹھیں!“ رفعت جہان نے آگے کر کہا۔

”ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے اپنا اتنا وقت برباد کیا۔ اب پھر ہم اڈلفیا میں واپس چلے جائیں گے۔“

”یہ سراسر ناممکن ہے۔“ رفعت جہان مسکرائے۔

”کیوں....؟“

”بس یوں ہی.... میں مہمانوں کی تجویز و تکفین کی سعادت سے بھی محروم نہیں رہنا چاہتا۔“

”ارے تو کیا اب ہم لان پر چہل قدمی نہیں فرما سکیں گے۔“ عمران نے چڑچڑے پن کا

مظاہرہ کیا۔

”شوق سے.... شوق سے.... لیکن آپ پھاٹک کے باہر قدم نہ رکھ سکیں گے۔“

عمران بڑبڑاتا ہوا کمرے سے نکل آیا.... وہ اس وقت دراصل نواب صاحب کے ایک

محافظ کو چیک کرنا چاہتا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ وہ قابل اعتماد آدمی نہیں ہے۔ اس نے ہد کو بھی

ہدایت کی تھی کہ اس پر نظر رکھے۔ اس وقت جب پرنس قدیر والا ہنگامہ ہوا تھا وہ دوسرے

محافظوں کے ساتھ نہیں تھا۔ عمران کو ابھی تک اس کا نام بھی نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ ہد نے

بھی لاعلمی ظاہر کی تھی لیکن اس نے آج کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کے متعلق ضروری معلومات

فراہم کرے گا۔

اور وعدے کے مطابق وہ اسے مالتی کی کچ میں ملا جو شمالی پھاٹک سے تقریباً دو سو گز دھری

تھی۔ ہد نے بتایا کہ اس محافظ کا نام ضیغم تھا۔ لیکن دوسرے محافظوں میں سے کسی کو بھی اس کے

متعلق کچھ نہیں معلوم وہ اتنا ہی جانتے ہیں کہ وہ بھی نئے محافظوں میں سے ہے۔ اور اس کی ملازمت

کی مدت زیادہ نہیں ہے۔ عمران دوبارہ اس پر نظر رکھنے کی ہدایت دے کر وہاں سے ہٹ آیا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب پھاٹک کے باہر قدم نکالنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ شاید

فون بھی استعمال نہ کر سکے۔ مگر اب یہ بہت ضروری تھا کہ کم از کم روشی کو ٹریک کال کر کے

یہاں بلوایا۔ وہ پھر عجلت کی طرف چلنے لگا۔ دفعتاً اس کی نظر نجمہ پر پڑی۔ جو ایک بڑے پام

کے نیچے کھڑی خرگوشوں سے کھیل رہی تھی۔ وہ سیدھا اس کی طرف چلا۔

”ہمیں بھی خرگوش بہت پسند ہیں شہزادی صاحبہ....!“

”شہزادی صاحبہ۔!“ اس نے حیرت سے کہہ کر پھر بے ساختہ ہنس پڑی کافی دیر تک ہنستے

رہنے کے بعد بولی۔ ”میں کہاں کی شہزادی ہوں میرا باپ بیچارہ ایک معمولی سا ڈپٹی کمشنر ہے۔“

”اس سے کیا ہوتا ہے پھر بھی آپ کی رگوں میں شاہی خون تو موجود ہے۔“

”یہ بھی غلط ہے شہزادے صاحب ہم کسی شاہی نسل سے تعلق نہیں رکھتے نانا جان کو

انگریزوں سے جاگیر دار خطاب ملے تھے ورنہ ہو سکتا تھا کہ نانا جان کے والد صاحب یہ بھی نہ

جاننے رہے ہوں کہ والد صاحب کے کہتے ہیں۔“

”سبحان اللہ.... مگر ہم اس کا مطلب نہیں سمجھے۔“

”شہزادے ظہرے نانا....! شہزادوں کو مطلب سمجھنے کی ضرورت ہی کیا ہے مطلب سمجھنے

کی کوشش تو وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں پیٹ بھر کر روٹی نصیب نہیں ہوتی۔“

”ایک بار پھر سبحان اللہ.... بلکہ کیا کہتے ہیں.... انشاء اللہ بھی.... نہیں.... کچھ اور کہتے

ہیں.... اوہاں.... ماشاء اللہ.... انشاء اللہ....!“

”کھوپڑی میں کیا ہے....؟“ نجمہ اس کی پیشانی کی طرف انگلی اٹھا کر بولی۔

”جھمیلی کا تیل قسم اول....!“

”نہیں بکس....!“ نجمہ نے کہا اور جھک کر ایک خرگوش گود میں اٹھالیا۔ پھر بولی ”آپ کی

یہ ریاست ڈھمپ کہاں واقع ہے۔ ہمارے گھر میں شاید ہی کبھی کسی نے اس ریاست کا نام سنا

اور۔“

”اف فوہ.... اب شاید ہم بھی قدیر صاحب ہی کی طرح پاگل ہو جائیں گے۔“ عمران اپنی

پیشانی پر رگرتا ہوا بولا۔

”ہو سکتا ہے....!“ نجمہ نے خشک لہجے میں کہا۔ ”ناموں جان کیا کر رہے ہیں۔ پولیس کیا

کر رہی ہے۔“

”ناموں جان ممبر کر رہے ہیں۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اور پولیس کہہ رہی ہے کہ ممبر کا

پسٹٹا ہوتا ہے۔“

”کیا آپ نے خود ہی ڈاکٹار مہیٹ نہیں رکھے تھے۔!“
 ”ہو سکتا ہے ہم نے ہی رکھے ہوں۔ ہمیں کچھ یاد نہیں ہے۔ ہمیں بھولنے کا مرض ہے
 شہزادی صاحبہ.....!“

”میں آپ کا یہ مرض دور کر سکتی ہوں.....!“ نجمہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
 ”آہ..... ہم بے حد شکر گزار ہوں گے..... جناب والا..... ارر..... محترمہ.....!“
 ”آئیے میرے ساتھ۔!“ نجمہ خرگوش کو زمین پر پھینک کر آگے بڑھتی ہوئی بولی عمران
 اس کے ساتھ چلنے لگا۔

”یہ قدیر صاحب کو کیا ہو گیا ہے۔“ اس نے رواروی میں پوچھا۔

”یہ قدیر یعنی چھوٹے نانا جان کی بات کر رہے ہیں آپ۔!“

”آہام..... کیا ان کا نام قدیر نہیں ہے۔!“

”ماموں جان انہیں پر نس قدیر کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کے باپ ایک معمولی زمین دار تھے۔
 اور شاید وہ پر نس کی سچے بھی نہ جانتے رہے ہوں۔!“

”خیر..... ہاں..... تو یہ پر نس قدیر کب سے بیمار ہیں۔!“

”سنا ہے کہ چھ ماہ سے..... اب ماموں جان انہیں یہاں لائے ہیں۔!“

”کیا وہ مستقل طور پر یہاں نہیں رہتے.....!“

”نہیں وہ تو گاؤں میں رہتے ہیں اور شاید چھاروں کے پر نس ہیں۔!“

”ایک بار پھر سبحان اللہ۔ آپ واقعی شہزادی معلوم ہوتی ہیں۔“

”نہیں میں صرف ڈپٹی زادی ہوں۔!“

”آپ کچھ بھی ہوں مگر یہ پر نس قدیر.....!“

”میں پر نس قدیر میں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں لیتی۔ مجھے بور نہ کیجئے۔!“

”بہت بہتر..... مگر آپ ہمیں لے کہاں جا رہی ہیں۔!“

”علاج کے لئے۔“ اس نے کہا۔ اور چلتے چلتے ایک حوض کے کنارے رک گئی۔

”دیکھئے میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ حوض کی تہ دیکھنے سے بھولنے کا مرض جاتا رہتا
 ہے۔ روزانہ تقریباً پندرہ منٹ تک یہ مشق کیا کیجئے.....!“

”اوہ..... اچھا شکریہ.....!“ عمران جھک کر حوض میں دیکھنے لگا۔ لیکن وہ غافل نہیں تھا
 اس نے نجمہ کی پرچائیں کو پیچھے ہٹتے دیکھا۔ اور پھر اس کا پیر اٹھا۔

عمران بڑی تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ نجمہ توازن برقرار نہ رکھ سکی دوسرے ہی لمحے
 میں وہ حوض میں غوطے کھا رہی تھی۔ حقیقتاً اس نے یہ چاہا تھا کہ اسے لات مار کر حوض میں
 گرا دے۔ لیکن اپنی شرارت کی شکار خود ہو گئی۔

”ارے..... ارے نکالو..... مجھے.....!“ وہ غوطے کھاتی ہوئی چیخی۔

”یہ آپ وہاں کیسے تشریف لے گئیں شہزادی صاحبہ.....!“ عمران نے بوکھلائے ہوئے
 انداز میں کہا۔

”نکالو..... خدا کے لئے..... پانی زیادہ ہے۔ میں بچوں پر اچھل رخی غلط اپ.....
 ارے..... بچاؤ.....!“

”ارے بچاؤ.....!“ دفعتاً عمران بھی احمقانہ انداز میں چیخا۔ اور اس طرح حوض کے کنارے
 اچھلنا شروع کر دیا جیسے سچ مچ بڑی طرح بوکھلا گیا ہو۔

آخر نجمہ خود ہی حوض کا ایک کنارہ پکڑ لینے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن اچھل کر اوپر جانا اب
 بھی اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

”میرے ہاتھ پکڑیئے۔!“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔

اب عمران نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اسے حوض سے باہر نکالا اور وہ تیر کی طرح
 عمارت کی طرف چلی گئی۔ کبھی دوڑتی اور کبھی آہستہ چلتے لگتی عمران اس وقت تک وہیں کھڑا رہا
 جب تک کہ وہ نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔



عمران کی تحقیقات ابھی غیر تسلی بخش تھیں وہ کرتا بھی کیا۔ رفعت جاہ اس کے معاملے
 میں روز بروز سخت ہوتے جا رہے تھے۔ نہ وہ سروش محل کی حدود سے باہر قدم نکال سکتا تھا اور نہ
 ان استعمال کر سکتا ہے۔ اگر وہ ملازموں سے کچھ پوچھنا چاہتا تو وہ اس انداز میں کھسک جاتے جیسے

انہیں بھی عمران کی باتوں کا جواب دینے سے روک دیا گیا ہو۔ آخر وہ رفعت جاہ سے الجھ ہی پڑا۔

”ہمیں بڑی حیرت ہے کہ ہم آپ کے مہمان ہیں یا قیدی بنا کر رکھے گئے ہیں۔“

”میرے مہمان اسی طرح رکھے جاتے ہیں۔“ رفعت جاہ کا جواب تھا۔

”دفن کس طرح کئے جاتے ہیں۔ نواب صاحب.....!“

”وہ منظر بڑا عبرت ناک ہوتا ہے مگر آپ اس سے محفوظ نہیں ہو سکیں گے شہرلوے صاحب۔“

”ہم محفوظ ہونے کی کوشش کریں گے آپ دفن کر کے تو دیکھیں۔“

”میرے پاس فضول باتوں کے لئے وقت نہیں ہے۔“

”اچھا ظہر بے کیا ہم اپنی پرائیویٹ سیکرٹری کو بھی یہاں نہیں بلا سکیں گے۔“

”کیا وہ کوئی عورت ہے۔“

”ہاں..... ایک اینگلو بریٹش لڑکی..... مس روشی ڈک نیل.....!“

”کہاں ہے.....!“

”دارالحکومت میں۔ ہم ٹریک کال کر کے اسے طلب کر سکتے ہیں۔“

رفعت جاہ کچھ سوچنے لگے۔ پھر بولے۔ ”یہ ٹریک کال میری موجودگی میں ہوگی۔“

”قطعی.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”میں اس سے ہرگز نہیں کہوں گا کہ آتے وقت حقے کا

خیرہ بھی لیتی آئے۔ حقے کے نام ہی پر اسے غش آجاتا ہے۔ مگر ہم نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ کم

از کم زندگی میں ایک بار اسے حقہ ضرور پلائیں گے۔“

پھر عمران نے رفعت جاہ کی موجودگی میں ہی روشی کے لئے ٹریک کال کی اسے یقین تھا کہ

وہ اس وقت اپنے فلیٹ میں ہوگی۔ وہ آج کل محکمہ خارجہ میں ٹائپسٹ کی حیثیت سے کام کر رہی

تھی۔ اس کا معمول تھا کہ وہ آفس سے آنے کے بعد پھر کہیں نہیں جاتی تھی۔ اور اس کا قیام بھی

اسی فلیٹ میں تھا جہاں احقوں والے کیس کے دوران اسے ٹھہرایا گیا تھا۔

اس کے اندازے کے مطابق روشی فلیٹ ہی میں ملی۔

”ہیلو روشی“ وہ ریسور میں دھاڑا۔ ”ٹمز پور پرس آف ڈھمپ ہم شہرہ دار سے بول رہے ہیں۔“

”اوہ..... وہاں..... مگر.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہم یہاں سرورش محل میں مقیم ہیں..... اور تمہاری ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ تم

یہاں پہنچنے کی کوشش کرو۔ تین بجے پلٹے والی ٹرین سے تم سات بجے تک یہاں پہنچ سکتی ہو۔

ہمیں بہت کم نیند آتی ہے۔ تم جانتی ہو کہ ہم نیپالی طرز کی لوریوں کے بغیر نہیں سو سکتے۔“

”اچھا..... اچھا..... میں چلی آؤں گی مگر اب چھٹی کی درخواست بھیجئے کا وقت بھی نہ مل

سکے گا۔“

”تم اس کی پرواہ نہ کرو.....!“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

”کس کی پرواہ.....؟“ رفعت جاہ نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”وہ کہہ رہی تھی کہ اسٹیشن سے سرورش محل تک کیسے پہنچے گی۔“

”صح گاڑی بھیج دی جائے گی۔“ رفعت جاہ نے کہا۔

عمران ان کا شکریہ ادا کر کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ سرورش محل میں آج اُس کا

پانچواں دن تھا۔ اس کا سامان بھی اڈلفیا سے یہیں منگوایا گیا تھا۔

لیکن شفق کے پجاری ابھی تک پردہ راز میں تھے۔ البتہ عمران پرس قدیر میں بہت زیادہ

دلچسپی لے رہا تھا۔ آج ہی نجمہ نے اسے کھل کر بتایا تھا کہ پرس قدیر کبھی ہوش میں نہیں رہتا۔

بظاہر ان اوقات میں جب وہ دورے کی حالت میں نہ ہو۔ ایک سنجیدہ اور خاموش طبع آدمی معلوم

ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اس وقت بھی ہوش میں نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی کو پہچانتا ہے

اور نہ اسے اپنے اعزہ کے نام یاد آتے ہیں اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ رفعت جاہ نے سارے اعزہ کو

ہدایت کر دی ہے کہ وہ اس سے گفتگو نہ کریں۔ رفعت جاہ کا کہنا تھا کہ وہ اس کی نہیں بلکہ

ڈاکٹروں کی ہدایت تھی۔

عمران قدیر سے گفتگو کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ابھی تک اسے اس میں ناکامی ہوئی تھی۔ اول تو وہ

اپنے کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتا تھا۔ اگر کبھی کبھار کپاؤنڈ میں نظر بھی آتا تو اس کے ساتھ

کوئی نہ کوئی ضرور ہوتا۔ اگر عزیزوں میں کوئی نہ ہوتا تو کم از کم محل کے محافظ تو یقینی طور پر اس

کے ساتھ ہوتے۔

عمران اس کے متعلق سوچتا ہوا لان پر ٹھہرا رہا۔ سورج غروب ہونے والا تھا اچانک نجمہ

سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ شاید وہ عمران ہی کے چکر میں ادھر آئی تھی۔

”اب ہمیں اس وقت کیا کہنا چاہئے!“ عمران بڑبولا۔ ”موسم خوش گوار ہونے کے مسئلے پر ہم صبح ہی گفتگو کر چکے ہیں۔“

”اس وقت ہم..... بھینسوں میں نفسیاتی شعور کے موضوع پر گفتگو کریں گے۔“ نجمہ نے جواب دیا۔ ”آہاں سنا ہے کہ آپ کسی عورت روشی کو یہاں بلا رہے ہیں۔“
عمران اس اطلاع پر بوکھلا گیا۔ کیوں کہ ٹرنک کال کرتے وقت کمرے میں نواب رفعت جاہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

”آپ کو کیسے علم ہوا شہزادی صاحبہ.....!“
”پجاری نے اطلاع دی ہے۔“ نجمہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیا مطلب.....!“

”ابھی میں ادھر آرہی تھی کہ ایک لفافہ پڑا ہوا ملا۔ جس پر ماموں جان کا نام تھا۔ میں نے وہ لفافہ اٹھالیا اس میں سے جو تحریر نکلی ہے پجاری کی ہے۔“
”ہام..... دیکھیں کیا لکھا ہے۔!“

”نہیں..... یہ ماموں جان کو دے آؤں۔ آپ یہیں ٹھہریے۔ زبانی بتاؤں گی۔ میرا انتظار کیجئے گا۔!“

پھر وہ دوڑتی ہوئی برآمدے کی طرف چلی گئی۔ عمران وہیں کھڑا پلکیں جھپکاتا رہا..... یہ لڑکی..... ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ وہ اسے سمجھنا چاہتا تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے کبھی عمران نے کسی لڑکی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی تھی کیوں کہ عموماً لڑکیاں خود بخود اس کی سمجھ میں آ جاتی تھیں۔ وہ اس کا منتظر رہا۔ تھوڑی دیر بعد نجمہ واپس آگئی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نواب صاحب اسے اتنی دیر تک ڈانٹتے پھنکارتے رہے ہوں۔ وہ آگے بڑھ گئی۔

”ارے..... سنئے تو سہی..... شہزادی صاحبہ.....!“ عمران اس کی طرف لپکا۔

”نہیں سنوں گی.....!“ وہ غصیلی آواز میں بولی اور اسی طرح چلتی رہی۔

”آخر کیا ہوا..... اگر کسی نے آنکھ دکھائی ہو تو اس کی آنکھ نکلواؤں.....!“ عمران نے اس کے برابر پہنچ کر کہا ”کسی نے دانت دکھائے ہوں..... تو..... نہیں مطلب یہ کہ..... ٹھہر

جائیے..... ہاں بس ٹھیک ہے۔!“

نجمہ رک گئی..... اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا ”پجاری نے لکھا ہے کہ آپ فراڈ ہیں اور اب یہاں کسی عورت روشی کو بلوا رہے ہیں۔ آپ شہزادے نہیں ہیں۔!“
”پجاری کی ایسی تھیں.....!“ عمران مٹھیاں سمجھ کر بولا۔ ”اگر ہم فراڈ ہیں تو نواب صاحب نے ہمیں اپنا مہمان کیوں بنایا ہے..... مگر اس نے اور کیا لکھا ہے۔!“

”اس نے لکھا ہے کہ آپ نواب صاحب کو کوئی بہت بڑی چوٹ دیں گے۔ ممکن ہے ان کے جواہرات اڑالے جائیں۔ ممکن ہے کچھ اور کر بیٹھیں۔!“

”اسی لئے آپ ہم سے ناراض ہو گئی ہیں۔!“

”نہیں..... غصہ تو مجھے ماموں جان پر آیا۔ خواہ خواہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں جیسے یہ خط میں نے ہی ٹاپ کیا ہے..... میں ہی انہیں ڈرا رہی ہوں۔!“

”چلئے آج یہ ایک نئی بات معلوم ہوئی کہ ہم فراڈ ہیں۔!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”اب دیکھنا یہ ہے کہ ماموں جان اس سلسلے میں کیا کرتے ہیں۔!“

”وہ کیا کریں گے..... وہ تصدیق کر چکے ہیں کہ ہم پرنس آف ڈھمپ ہیں اور وہ عورت جسے ہم نے بلایا تھا وہ ہماری پرائیویٹ سیکریٹری ہے۔!“

”کیا مرد پرائیویٹ سیکریٹری کے فرائض انجام نہیں دے سکتے.....!“ نجمہ نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔

”نہیں مرد نہیں دے سکتے.....!“ عمران نے احتقانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”جب ہم ادا اس ہوتے ہیں تو وہ فوراً ہی ہمارے لئے بلیغ کے انڈے تلاش کرتی ہے۔!“

”بلیغ کے انڈے..... کیا مطلب.....!“

”مطلب تو بلیغ ہی بتا سکے گی.....!“ عمران نے مایوسی سے کہا۔ ”لیکن اتنا ضرور ہے کہ بلیغ کے انڈے دیکھ کر ہماری ادا سی دور ہو جاتی ہے۔ اگر انڈے نہ ملیں تو ہم تھوڑی دیر بعد دھاڑیں

مار مار کر روناشروع کر دیتے ہیں۔ ہاں یہ تو بتائیے کہ محل میں کتنے فون ہیں۔!“

”چار..... کیوں.....!“

”بس یوں ہی ہم نے سوچا ممکن ہے فون پر کسی نے ہماری گفتگو سنی ہو۔!“

”اوہ..... تو کیا.....!“

”ہاں... ابھی کچھ دیر ہی پہلے ہم نے اپنی پرائیویٹ سیکرٹری کے لئے ٹرک کال کی تھی!“

”میرے خدا تو کیا..... وہ پجاری..... یہاں..... محل میں موجود ہے.....!“

”یقیناً ورنہ..... ہماری آواز کیسے سنی جاتی..... جب ہم نے فون پر گفتگو کی تھی تو ہمارے پاس

نواب صاحب کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ آپ کو یہ لفاظی کہاں ملا تھا کیا آپ وہ جگہ دکھاسکیں گی!“

”ہاں کیوں نہیں..... آئیے.....!“

عمران اس کے ساتھ چلے گا..... پھر وہ ایک کھڑکی کے نیچے رک گئی۔

”یہاں.....!“ نجمہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔ یہ جگہ کھڑکی سے ایک گز کے فاصلے پر

تھی۔ عمران چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر دفعتاً وہ دونوں ہی چونک پڑے کسی کا بھاری بھر کم قہقہہ

فضا میں گونج رہا تھا۔

”قدر..... تانا.....!“ نجمہ بڑبڑائی۔

پرنس قدر کھڑکی کی سلاخوں پر جھکا ہوا وحشیانہ انداز میں ہنس رہا تھا۔

”کیا ہم بھی قہقہہ لگائیں پرنس قدر.....!“ عمران نے اس سے پوچھا۔

”ضرور..... ضرور..... آدمی کو ہر وقت قہقہہ لگانا چاہئے ہنسو..... خوب ہنسو.....!“ اس

نے کہا اور کھڑکی سے ہٹ گیا۔

”میں نے آج پہلی بار انہیں اس طرح ہنسنے دیکھا ہے۔“ نجمہ نے کہا۔

”یہ پاگل نہیں معلوم ہوتے۔“ عمران وہاں سے ہٹا ہوا بولا۔ ”آئیے آج پھر ہم حوض کے

کنارے اپنی یادداشت درست کرنا چاہتے ہیں۔!“

نجمہ اس تذکرے پر جھینپ گئی۔ لیکن پھر اس نے فوراً ہی کہا۔ ”میں ہر وقت آپ کے

متعلق سوچتی رہتی ہوں۔!“

”کیا سوچتی رہتی ہیں۔!“

”بھی کہ آپ کس قسم کے آدمی ہیں۔ آدمی ہیں بھی یا نہیں۔ میں نے پچھلے سال چڑیا گھر

میں بالکل آپ ہی کی شکل کا ایک لنگور دیکھا تھا۔!“

”لنگور..... ہاں ہمیں لنگور بے حد پسند ہیں۔ مگر ہم نے چڑیوں کا گھر آج تک نہیں بنا۔

اسے گھونٹا کھتے ہیں..... اگر آپ نے گھونٹے میں لنگور دیکھا تو ہم اسے باور کر لیں گے۔ کیونکہ

اکثر پرندے بھی لنگور بے حد پسند کرتے ہیں۔

نجمہ نے بات اڑا کر کہا ”آج قدر تانا نے یہاں کوئی گڑھا نہیں کھودا وہ سارے کپاؤنڈ کو

برباد کرائے دے رہے ہیں۔!“

”ہائیں..... کیا مطلب..... کیا وہ گڑھے بھی کھودتے پھرتے ہیں۔!“ عمران نے اپنے

دیدوں کو گردش دی۔!

”ہاں..... میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کس قسم کا پاگل پن ہے..... اور تو اور ماموں جان ان

سے بھی زیادہ خطی ثابت ہو رہے ہیں۔!“

”کیوں وہ کیا کرتے ہیں۔!“

”اگر قدر تانا ایک بالشت کھودتے ہیں تو وہ اسی جگہ کنواں کھدوا دیتے ہیں۔!“

”اگر ہم پر پاگل پن سوار ہو تو ہم پورے شہر کو سمندر بنا دیں گے۔“ عمران نے غصیلے لہجے

میں کہا۔

نجمہ ہنسنے لگی اور آہستہ سے بولی ”تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو۔!“

”ہماری ممی بھی یہی کہتی ہیں۔!“ عمران نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

نجمہ اسے اس طرح گھورنے لگی جیسے سچ سچ وہ کوئی عجوبہ ہو۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”آپ

یہاں کب تک مقیم رہیں گے۔!“

”آہ..... یہاں سے جانے کو بالکل جی نہیں چاہتا۔ ہم سوچ رہے ہیں کیوں نہ شاہ دارا کو

ڈھمپ سے بدل لیں۔ مگر ہاں وہ قدر صاحب تو پاگل ہی ٹھہرے آخر نواب صاحب پر پاگل پن

کیوں سوار ہو جاتا ہے۔!“

”وہ کہتے ہیں کہ انکل جو کچھ بھی کریں۔ اس میں ان کا ہاتھ بٹایا جائے اس طرح ان کی

الجھنیں رفع ہو سکتی ہیں اور ذہنی مرض دور ہو سکتا ہے۔!“

”لہذا اگر وہ ایک بالشت زمین کھودتے ہیں تو نواب صاحب وہاں کنواں کھدوا دیتے ہیں۔!“

”جی ہاں..... خدا دونوں کے حال پر رحم کرے..... آئیے.....!“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک

طرف کھینچتی ہوئی بولی عمران پھر اس کے ساتھ چلے لگا۔ وہ اب صرف قدر اور اس کے زمین

کھودنے کے خط کے متعلق سوچ رہا تھا اور پھر اس حد تک اس کی دلہی کی جاتی تھی کہ جہاں وہ معمولی سا گڑھا کھودتا تھا وہاں کنوئیں کھدوا دیے جاتے تھے۔

”کیوں شہزادی صاحبہ کیا وہ کنوئیں بند نہیں کرائے جاتے!“

”بعد کو بند کرا دیے جاتے ہیں!“

”اف فوہ... کتنے مصارف ہوتے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب فرشتہ ہیں۔“

”سنا ہے کہ ان کی ماں بھی فرشتہ تھیں۔“ نجمہ نے تہقیر لگایا۔

”کیا مطلب... آپ اپنی نانی کے متعلق کہہ رہی ہیں۔ یعنی ان پر اس طرح ہنس رہی ہیں۔“

”ہشت... وہ میری نانی کیوں ہونے لگی... وہ ایک انگریز عورت تھی۔“

”نہیں...! عمران کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں... نانا جان نے اس کے بعد دوسری شادی کی تھی... اور اس طرح میری ماں عالم

وجود میں آئی تھیں اور آج بھی ان کا وجود پایا جاتا ہے... میں کسی انگریز عورت کی نواسی بننے

سے بہتر یہ سمجھتی ہوں کہ کسی کتیا کو نانی کہنا شروع کر دوں۔“

”نانا کی بیوی ہر حال میں نانی کہلائے گی۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”کہلائے...! نجمہ نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔

”مگر آپ مجھے کہاں لے جا رہی ہیں۔“

”جہنم میں...!“

”ٹھہریے... ٹھہریے...! عمران یک بیک رک گیا۔

”کیوں...!“

”ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم کبھی جہنم میں نہیں جائیں گے کیونکہ ہمارے حضور ابا نے سیکڑوں

مسجدیں تعمیر کرائی ہیں۔ یتیم خانوں اور دوسرے تعلیمی اداروں کیلئے دل کھول کر چندہ دیتے ہیں۔“

”وہ تو سب سے پہلے جہنم میں جائیں گے۔“

”کیوں...! عمران نے پوچھا اور چلنے لگا۔

”مسجدیں تعمیر کراتے ہیں کبوتروں اور بابیلوں کے لئے یتیم خانوں میں چندہ دیتے ہیں...“

خیر ہٹاؤ مجھے کیا...؟ مجھے مطلب...؟ نوابوں اور شاہوں کی باتیں ہیں۔“

”اوہو... خیر ہٹائیے... ہاں تو آپ کے نانا نے اس انگریز عورت کی موت کے بعد

آپ کی نانی سے شادی کی ہوگی۔“

”ڈھمپ صاحب ہوش میں آئیے... ورنہ میں آپ کا سر توڑ دوں گی...!“

”یقیناً... وہ بھلا شادی سے پہلے میری نانی کیسے ہو سکتی ہیں۔“

”ارے تو ہم نے یہ کب کہا ہے۔“

”کیوں نہیں اس کا کیا مطلب ہوا کہ آپ کی نانی سے شادی کی تھی۔ گویا وہ پہلے ہی سے

میری نانی تھیں... شادی بعد میں ہوئی تھی۔“

”ارے آپ تو عمران کی بھی چچی معلوم ہوتی تھی۔“

”کیا... کس کی چچی...!“

”شیطان کی چچی...!“

”آپ خود شیطان کے چچا...!“

”ہمیں منظور ہے... بشرطیکہ آپ کے والدین راضی ہو جائیں۔“

”کیا مطلب...! وہ عمران کو گھورنے لگی۔ پھر اس جملے کا مطلب سمجھ کر چلتے چلتے رک گئی۔

”تم گدھے ہو مسٹر ڈھمپ...! وہ جھینپے ہوئے انداز میں بولی۔

”ہاں ڈھمپ میں گدھے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اگر آپ انہیں دیکھ لیں تو پھر کسی آدمی کو

گدھا کہنے کا خیال بھی دل میں نہ آئے۔ ہاں چلے آپ کہاں چل رہی تھیں۔“

”کہیں نہیں... اب آپ جا سکتے ہیں...!“

”مگر کہاں... ہم کہاں جائیں شہزادی صاحبہ... پتہ نہیں ہماری آنکھوں میں اندھیرا

ہے یا سورج سچ سچ غروب ہو چکا ہے۔ کیا آپ ہمیں ہمارے کمرے تک پہنچا سکیں گے۔

اندھیرے میں کچھ نہیں دکھائی دیتا۔ حالانکہ اجالے میں ہم عینک کے بغیر بھی دیکھ سکتے ہیں۔“

حالانکہ ابھی اتنا زیادہ اندھیرا نہیں پھیلا تھا سورج غروب ہو چکا تھا اور آسمان پر چمکیلے سرخ

رنگ کے بادل موجود تھے جن کا روشن عکس زمین پر پڑ رہا تھا۔ قبل اس کے کہ نجمہ کچھ کہتی

جہازوں میں سرسراہٹ ہوئی اور دوسرے ہی لمحے میں نواب رفعت جاہ اپنے دو محافظوں سمیت

ان کے سامنے موجود تھے۔

”یہ کیا ہو رہا ہے.....!“ وہ عمران کو گونہ دکھا کر غرائے۔

”بھی تو کچھ بھی نہیں ہو رہا.....!“ عمران نے بڑی سادگی سے جواب دیا اور نجمہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”چلو شروع ہو جاؤ.....!“ نواب صاحب نے دونوں محافظوں کو مخاطب کیا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں ماموں جان!“ نجمہ چیخی..... وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔ ”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے ہم یہاں چہل قدمی کر رہے تھے!“

”تم جاؤ یہاں سے.....!“ وہ اس پر پلٹ پڑے۔

”شروع ہو جاؤ بھی.....!“ عمران نے بھی محافظوں سے کہا۔

”دیکھتے کیا ہو مارو مردود کو.....!“ رفعت جاہ دھاڑے۔

”نہیں..... نہیں ماموں جان.....!“

”شٹ آپ.....!“ نواب صاحب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھنے سے روک دیا شاید وہ عمران اور محافظوں کے درمیان آ جانا چاہتی تھی۔ محافظ عمران کی طرف جھپٹے۔

”ارے بھی ذرا احتیاط سے.....!“ عمران نے ہنس کر کہا۔ ”ہمارے کپڑے گندے نہ ہونے پائیں ہم بہت نفاست پسند ہیں!“

دونوں محافظ ایک دوسرے سے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ عمران ان سے تین ہی چار قدم کے فاصلے پر کھڑا ہنس رہا تھا۔ وہ پھراٹھے..... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے وہ اس بار عمران کو پس کر پئی جائیں گے لیکن ان میں سے ایک سر پکڑے ہوئے زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرا اچھل کر تقریباً دس گز کے فاصلے پر جاگرا۔

”نواب صاحب ہم اپنے کپڑے میلے نہیں ہونے دیں گے.....!“ عمران نے بڑے سعادتمندانہ انداز میں کہا۔

نواب رفعت جاہ کا منہ حیرت سے پھیل گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے..... وہ اب پھیلا ہی رہ جائے گا!

نجمہ عجیب قسم کی ہنسی ہنس رہی تھی جو نہ ہنسی معلوم ہوتی تھی اور نہ اسے روٹنا ہی کہا جاسکتا تھا۔ ”اپنی مدد کے لئے کم از کم پانچ آدمیوں کو بلا لو.....!“ عمران نے محافظوں سے کہا جو درد

کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ ”اس طرح چوبیس تقسیم ہو جائیں گی اور تم خسارے میں نہ رہو گے..... یولو شفق کے پجاری کی ہے!“

”ہائیں..... پولیس..... پولیس.....!“ نواب رفعت جاہ بھرائی ہوئی آواز میں چیخے..... ”پولیس کو فون کرو..... یہ..... یہ شش..... شفق کے پجاری.....!“

دونوں محافظ دوڑتے ہوئے عمارت کی طرف چلے گئے شاید انہوں نے بھی سوچا تھا کہ چلو جان بچی۔

”نواب صاحب کیا آپ بھی پرنس قدیر کی طرح اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں!“

”کک..... کیوں.....!“

”کیا سر سلطان نے آپ کو ہمارا حلیہ بتا کر ہمارے پرنس آف ڈھمپ ہونے کی تصدیق نہیں کی تھی!“

”تم کوئی بھی ہو..... لیکن میری عزت سے نہیں کھیل سکتے!“

”ہم نے آج تک فٹ بال کے علاوہ اور کوئی کھیل نہیں کھیلا۔ آپ خواہ مخواہ الجھن میں پڑ گئے ہیں۔ بھلا پولیس ہمارا کیا بگاڑ سکے گی۔ ایک گھنٹہ کے اندر اندر ہم سارے ملک میں تھلکہ چادیں گے!“

”تم اس لڑکی کو کیوں پھسلارہے تھے.....!“ نواب صاحب غرائے۔

”خدا ہمیں عارت کرے۔“ عمران اپنے گالوں پر پے درپے کئی تھپڑ مارتا ہوا بولا۔ ”ارے یہ لڑکی تو خود ہمیں آلو بتا رہی تھی۔ آپ ٹھیک وقت پر پہنچے ورنہ ہم آلو تو خیر کیا..... ہاں مرغا ضرور بن گئے ہوتے!“

”کیوں.....!“ نواب صاحب نجمہ کی طرف دیکھ کر غرائے۔

”جی ہاں..... میں انہیں ایک گڑھے میں گرانے لے جا رہی تھی!“

”کیا مطلب.....!“

”گڑھے میں..... جس پر لکڑی کی تیلیاں رکھ کر گھاس بچھا دی گئی تھی!“

”آخر کیوں.....؟“ نواب رفعت جاہ صاحب دانت پیس کر بولے۔

”اُک..... نہ انہیں حوض میں گرانے کی کوشش کی تھی مگر خود ہی گر گئی تھی!“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔!“

”یہاں اگر کسی کا دماغ خراب نہ ہو تو اس سے ہمیں ضرور ملوایئے۔!“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

”ختم کیجئے۔۔۔!“ رفعت جاہ ہاتھ اٹھا کر بولے ”مجھے شرمندگی ہے۔!“

”شرمندگی ان بچارے معافوں پر ظاہر کیجئے جو اب ایک ہفتہ تک پنگ پر پڑے رہیں

گے۔ کیونکہ ہمارے ہاتھ کی چوٹیں عموماً دو تین گھنٹے بعد گل کھلاتی ہیں۔!“

معاہدہ اس سے آگے نہ بڑھ سکا وہ لوگ عمارت کی طرف چلے گئے۔



دوسری صبح روشی شاہ دارا کے اسٹیشن پر اتری اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے توقع تھی کہ عمران اسٹیشن پر موجود ہو گا۔ ٹرین چلی بھی گئی لیکن روشی پلیٹ فارم پر ہی کھڑی رہی۔ دفعتاً ایک طویل قامت اور وجیہ آدمی اس کی طرف بڑھا۔

”محترمہ روشی۔۔۔!“ اس نے مودبانہ انداز میں سوال کیا۔

”آ۔۔۔۔۔! ہاں۔۔۔۔۔! جی ہاں۔۔۔۔۔! فرمائیے۔۔۔۔۔!“

”مجھے ہر ہائی ٹس پر ٹس آف ڈھمپ نے سروش محل سے بھیجا ہے۔!“

”اوہ۔۔۔۔۔! اچھا۔۔۔۔۔! اچھا۔۔۔۔۔! چلو۔۔۔۔۔!“

”دراز قد آدمی نے اس کا سفری بیگ جھک کر اٹھا لیا۔ وہ دونوں اسٹیشن سے باہر آئے۔

یہاں ایک لمبی سی لیماؤ سین کھڑی تھی۔

”تشریف رکھئے۔۔۔۔۔!“ اس نے گاڑی کی پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ روشی

بیٹھ گئی اور اس کے پیروں کے پاس اس کا سفری بیگ رکھ کر ڈرائیور کی سیٹ پر جا بیٹھا۔ گاڑی

چل پڑی روشی سوچ رہی تھی کہ پتہ نہیں عمران نے کون سا کھڑاگ پھیلایا ہے اور اُسے سروش

محل میں کیا کرنا پڑے گا۔

گاڑی چلتی رہی اور پھر جب وہ شہر سے نکل کر کھیتوں اور جنگلوں سے گزرنے لگی تو روشی

کو تشویش ہوئی۔

”اوہ۔۔۔۔۔! کیا سروش محل ویرانے میں ہے۔!“ اس نے دراز قد آدمی سے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔! نواب صاحب شہر کے ہنگاموں سے گھبراتے ہیں۔“ اس نے مودبانہ جواب دیا۔

”میرے پرنس کی صحت تو اچھی ہے۔!“

”جی ہاں۔۔۔۔۔! وہ بعافیت اور خوش ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔

روشی خاموش ہو گئی۔ لیکن جلد ہی اس کے ذہن کو ایک زوردار جھٹکا لگا کیونکہ وہ گاڑی کسی

محل کے بجائے چھوٹے سے کچے مکان کے سامنے رک گئی تھی۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

”نیچے اتر جائیے محترمہ۔۔۔۔۔!“ دراز قد آدمی نے اس کی طرف مڑ کر کہا۔

”یہ سروش محل ہے۔!“ روشی نے غصیلی آواز میں پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔۔۔!“

”تم مجھے دھوکہ دے کر کہیں اور لائے ہو۔!“

”نہیں محترمہ آپ چپ چاپ اتر چلئے خیریت اسی میں ہے اگر اس کے خلاف کریں گی تو

آپ کو پچھتانا پڑے گا۔ کیونکہ یہاں کئی وحشی اور بدتمیز آدمی موجود ہیں۔!“

روشی گاڑی سے اتر آئی۔ دراز قد آدمی بھی اتر اور اس نے پھر روشی کا بیگ اٹھایا۔

”چلئے“ اس نے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ روشی طوعاً و کرہاً چلنے لگی۔

وہ اندر آئے یہاں تین آدمی موجود تھے۔ اور یہ لباس اور وضع قطع سے اچھے آدمی نہیں

معلوم ہوتے تھے۔ ان کی شکلیں قاتلوں کی سی تھیں۔

”تشریف رکھئے۔۔۔۔۔!“ دراز قد آدمی نے ایک شکستہ کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”آف آپ لوگ کیا چاہتے ہیں۔!“

”آپ بیٹھ تو جائیے۔۔۔۔۔! ہم قطعی دوستانہ ماحول میں گفتگو کریں گے۔!“ روشی بیٹھ گئی۔

”ہاں سنئے۔۔۔۔۔! ہم صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ریاست ڈھمپ کہاں ہے۔!“

”یہ بات پرنس نے خود مجھے بھی آج تک نہیں بتائی۔!“

”یعنی آپ نہیں جانتیں۔۔۔۔۔!“

”قطعی نہیں۔۔۔۔۔! کیا میں پرنس پر زور ڈال سکتی ہوں کہ وہ مجھے ڈھمپ کا جغرافیہ ضرور

بتائیں۔ میں ان کی پرائیویٹ سیکریٹری ہوں۔ معقول تنخواہ ملتی ہے۔ پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ خواہ

خود انہیں غصہ دلا کر اپنا مستقبل تباہ کر لوں۔ انہیں اس وقت بہت زیادہ غصہ آجاتا ہے جب کوئی ان سے ڈھپ کا جنرالیہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔

”ہوں....!“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اچھا یہی بتا دیجئے کہ وہ سروش محل کس لئے تشریف لائے ہیں۔!“

”اب میں ان سے مل کر پوچھوں گی۔“ روشی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”وہ مجھے بتائے بغیر یہاں آئے تھے۔ پھر یہاں بلانے کے لئے کل رات ٹرک کال کی۔ میں یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ کہاں ہیں۔!“

”اچھی بات ہے۔“ اس نے بایوسنڈ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”نتیجہ کی ذمہ دار آپ خود ہوں گی۔“ ”اُف آپ لوگ پرنس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں“ روشی نے حیرت سے کہا۔ ”وہ ایک سیدھے سادھے بیوقوف آدمی ہیں۔!“

”میں حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے۔“ دراز قد آدمی نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”حقیقت تو پرنس ہی سے معلوم ہو سکے گی۔ ویسے میں اتنا جانتی ہوں کہ دارالحکومت کے بہت بڑے بڑے آدمی انہیں دیکھ کر بوکھلا جاتے ہیں۔!“

”شاید اسی لئے رفعت جاہ نے اسے قیدیوں کی طرح رکھ چھوڑا ہے۔“ دراز قد آدمی نے طنز پر لہجے میں کہا۔

”رفعت جاہ کون....!“

”نواب رفعت جاہ سروش محل کا مالک ہے۔!“

”اُسے بھی بند کر دو....!“ دراز قد آدمی نے ان تینوں سے کہا۔ جو روشی کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔

دراز قد آدمی پھر بولا۔ ”اب وہی پرنس کا بچہ باقی رہ جاتا ہے۔ وہ سارے محل میں ہماری بو سوگھتا پھر رہا ہے کسی طرح اسے بھی لاؤ پھر ہم اس مکان میں آگ لگا دیں گے۔“

روشی کو دھکیل کر ایک کونٹری کے دروازے تک لایا گیا اور پھر وہ اندر دھکیل دی گئی۔ قبل اس سے وہ نکل جانے کی کوشش کرتی دروازہ بند ہو چکا تھا۔

”ارے آپ“ اسے اندھیرے میں کسی کی آواز سنائی دی لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ پھر جب اس کی

آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو گئیں تو اسے ہر د نظر آیا جو آنکھیں چلا چلا کر اسے گھور رہا تھا۔ روشی اسے اچھی طرح جانتی تھی اور وہ بھی اس سے واقف تھا۔ ”آپ کہاں.... مس صاحب!“ ”جہاں تم.... پتہ نہیں یہ گدھا کیا کرتا پھر رہا ہے۔!“ روشی جھلا کر بولی۔



ڈرائیور کھڑائی طرح کانپ رہا تھا۔ اور نواب رفعت جاہ.... جاہ سے باہر ہوئے جاہ تھے.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اسے قتل ہی کر دیں گے۔

”حضور گاڑی خراب ہو گئی تھی، میں کیا کرتا۔!“

”گاڑی کے بچے.... یہیں نہیں دیکھ لیا تھا کہ انجن کس حالت میں ہے۔!“

”ہمیشہ رات کو دیکھ لیتا ہوں سرکار.... رات کوئی خرابی نہیں تھی۔!“

”پھر کیسے خراب ہو گیا۔!“

”ختم کیجئے....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ہم اغوا کی بو سوگھ رہے ہیں۔ ورنہ وہ اب تک یہاں پہنچ گئی ہوتی.... اب آپ براہ کرم ہمیں آزاد کیجئے۔ ورنہ نتائج بہت بُرے ہوں گے۔!“

”ٹھہریئے جناب مجھے بھی سوچنے دیجئے۔!“ نواب رفعت جاہ نے کہا پھر ڈرائیور کی طرف دیکھ کر غرائے۔ ”دفع ہو جاؤ.... جاؤ.... لیکن میری اجازت کے بغیر محل کی حدود سے باہر قدم نہ نکالنا۔!“

ڈرائیور سر جھکائے ہوئے چلا گیا۔

”زیادہ دیر کرنا ٹھیک نہیں ہے نواب صاحب۔!“ عمران نے کہا۔

”ارے صاحب یہ کیا ضروری ہے کہ وہ آہی گئی ہو۔!“

”کیا... اگر وہ آئی ہوگی تو ہم اسکی گردن اڑا دیں گے ڈھپ میں نافرمانی کی سزا موت ہے۔!“

”اگر آئی تھی تو کہاں گئی۔!“

”وہیں.... جہاں سے کچھیل شام کو آپ نے ایک ٹائپ کیا ہوا خط پلا تھا۔ کیا اس میں یہ تحریر نہیں تھا کہ ڈھپ کا شہزادہ اپنی سیکریٹری کو طلب کر رہا ہے۔!“

”آپ کو کیسے علم ہوا!“ رفعت جاہ نے حیرت سے کہا۔

”ہمیں سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ ہم اہالیانِ ڈھمپ کے روحانی پیشوا بھی ہیں۔ بس اب جلدی کیجئے۔ ورنہ میری سیکرٹری خطرے میں پڑ جائے گی۔“

”تم مجھے یہ قوف نہیں بنا سکتے تھے بچے.....!“ رفعت جاہ کا لہجہ بہت زہریلا تھا۔

”بنا سکتا ہوں.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ہم بعض اوقات اپنے حضورِ ابا تک کو یہ قوف

بنا ڈالتے ہیں۔ مگر نواب صاحب اس وقت ہم بہت ہی خراب موڈ میں ہیں اس لئے۔“

”کچھ نہیں!“ رفعت جاہ..... باتھ اٹھا کر بولے۔ ”تم نے یہاں سے بھاگ نکلنے کے لئے

یہ پروگرام بنایا تھا..... وہ نہیں آئی..... لہذا تم اسے خطرے میں ثابت کر کے یہاں سے نکلنے کا

موقع تلاش کر رہے ہو۔“

”ہم ایک بار پھر کہتے ہیں کہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کیجئے۔ سر سلطان جیسے لوگ غیر ذمہ

دارانہ گفتگو نہیں کرتے۔“

”میں اپنی مرضی کا مالک ہوں..... ضروری نہیں کہ میں کسی مسئلہ پر سر سلطان ہی کی

رائے کو اہمیت دوں۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ اسے سچ مچ غصہ آگیا تھا۔ لیکن اس نے اس پر ایک حماقت انگیز

مسکراہٹ کا پردہ ڈال دیا۔ محل سے نکل جانا اس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ مگر وہ خود ہی

اس سے پہلو تہی کر رہا تھا۔ مقصد جو کچھ بھی رہا ہو۔

وہ پیر پختا ہوا کمرے سے نکلا اور ایک طرف چلنے لگا۔ اس دن سے ہر ہر بھی نظر نہیں آیا

تھا۔ رفعت جاہ نے اس پر بھی شبہ ظاہر کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ تمہاری جان پہچان کا ایک آدمی

یہاں تھا وہ غائب ہو گیا۔

عمران چلتے چلتے مالتی کی ان جھاڑیوں کے قریب رک گیا جہاں پچھلی شام اس نے رفعت

جاہ کے دو محافظوں کی کھوپڑیاں سہلائی تھیں۔

وہ کوئی نیا ہی خیال تھا۔ جس نے اسے بُری طرح چونکا دیا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک وہ وہیں خیالات

میں ڈوبا ہوا کھڑا رہا۔ پھر کسی قسم کی آواز پر چونکا۔ جو جھاڑیوں کی دوسری طرف سے آئی تھی۔

عمران بہت آہستگی سے جھاڑیوں میں داخل ہوا..... اور دوسری طرف اسے پرنس قدیر

نظر آیا جو گھاس پر چپٹ لیٹا ہوا تھا۔ اور قریب ہی دو محافظ بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ قدیر تھوڑی دیر

بعد کچھ بڑبڑانے لگتا تھا۔ اور وہ دونوں چونک کر پھر اونگھنے لگتے تھے۔ دلچسپا قدر اٹھ بیٹھا۔ ساتھ

ہی محافظ بھی سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ان کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ان کی ذرا سی غفلت

انہیں موت سے ہم کنار کر دے گی۔

قدیر نے جیب سے ایک قلم تراش چاقو نکالا اور اس کی نوک سے ایک جگہ کی مٹی کھودنے لگا۔

”دیکھنا.....!“ ایک محافظ نے دوسرے سے کہا۔

”مرنے دو سالے کو.....!“ دوسرا بڑبڑایا۔ ”کہاں تک تھکیں مریں ایسا پاگل پن تو آج تک

نہ دیکھا نہ سنا۔“

”اٹھاؤ پھاوڑا.....!“ دوسرا ہنس پڑا۔

”بیٹھے رہو چین سے.....!“ اس نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے قدیر کے کانوں تک ان کی گفتگو پہنچی ہی نہ ہو۔ وہ بے تعلقانہ انداز

میں مٹی کھودتا رہا..... پھر تھوڑی دیر بعد چاقو ایک طرف پھینک کر اپنی پیشانی رگڑنے لگا۔

وہ آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑا بھی رہا تھا۔

”پہیل..... پہیل.....!“ ایک بار اس کی آواز بلند ہو گئی۔

”واپس کب چلو گے بادشاہ سلامت.....!“

ایک محافظ نے اسے مخاطب کیا۔

”کہاں چلوں..... نہ یہاں مرغیوں کا دڑبہ ہے اور پہیل کا پیڑ..... مجھے بھوک لگ رہی

ہے۔ میں بکری کی میٹنیاں کھاؤں گا۔ موٹی جڑ کے نیچے قلندر کا بندر قبولہ کرتا ہے..... موٹی

جڑ..... موٹی جڑ..... ہاں ہاں..... موٹی جڑ موٹی..... موٹی..... جڑ.....!“

اس نے تالیاں بجا بجا کر قولوں کی طرح..... ”موٹی جڑ“ کو رٹا شروع کر دیا۔

”اب مغز نہ کھاؤ نہیں تو ہم تمہیں اونٹ کی میٹنیاں کھلا دیں گے“ ایک محافظ نے کہا۔

”بکری کی میٹنیاں!“ قدیر نے جھلا کر کہا۔ ”اونٹ ہوتا تو مجھے چپاں کیوں توڑنی پڑتیں۔!“

”کھاؤں میں چپاں توڑتے ہو۔ بکریاں چراتے ہو..... اور یہاں آکر بادشاہ سلامت بننے ہو۔

ہمارا بس چلے تو ہم تمہیں خدائے پہنچادیں۔ نہ دن چین نہ رات چین۔!“ محافظ نے کہا۔

ہیں تو میرا دل خوشی نے ناچنے لگتا ہے۔ اگر کسی سے نفرت ہو جائے تو ہر وقت اس کے سر پر سوار رہنا چاہئے۔ وہ پاگل ہو کر مر جائے گا۔“

”ہائیں تو کیا.... پر نس قدر آپ ہی کا شکار ہوئے ہیں۔“
 ”قدر ہانا....!“ اس نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ کیا چاہتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ ماموں جان کو قتل نہ کر دیں۔!“
 ”کیوں.... کیوں....؟“

”بس یوں ہی.... میں یہی محسوس کرتی ہوں۔ جس وقت ان پر بڑا ہٹ کا دورہ پڑتا ہے وہ ماموں جان ہی کے بارے میں زیادہ تر بکواس کرتے ہیں۔ قتل کر دوں گا.... مار ڈالوں گا.... زندہ نہ چھوڑ دوں گا۔ دیکھئے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے پاگل پن کا ڈھونگ اسی لئے رچایا ہو۔!“
 ”کس لئے....؟“

”اسی پاگل پن کی آڑ میں ماموں جان کو قتل کر دیں۔!“
 ”آپ کو کیوں اتنی تشویش ہے جب کہ آپ ان سے اتنی متنفر ہیں۔!“
 ”ضروری نہیں کہ جس سے نفرت کرتی ہوں اس کی موت بھی برداشت کر لوں۔!“
 ”نہ برداشت کیجئے.... ہمیں کیا.... ہاں قدر صاحب الہتہ ہمیں بے حد دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا گھر کہاں ہے۔!“

”داتا گنج میں....!“
 ”داتا گنج کہاں ہے۔!“ عمران نے بڑے بھولے پن سے پوچھا۔
 ”یہی سڑک جو شہر سے یہاں آتی ہے۔ داتا گنج سے بھی گزرتی ہے۔ یہاں سے شاید چار میل کا فاصلہ ہے۔ مگر آپ کو ان سب باتوں سے کیا سروکار۔!“
 ”کچھ نہیں ہمیں کیا سروکار.... لیکن آپ ہمیں مالٹی کی کج میں نہ لیجائیں۔ ممکن ہے آج نواب صاحب ہم پر مینڈھے چھوڑ دیں۔ خدا کی پناہ.... کل وہ ہماری ادور ہانگ ہی کرا ڈالتے۔ آخر وہ خفا کیوں ہو گئے تھے۔!“

”پتہ نہیں....!“ نجمہ نے براہِ سامنے بنا کر کہا۔ ”کیا میں دودھ پیتی پکی ہوں۔!“
 ”قطعی نہیں.... آپ کی عمر زیادہ سے زیادہ پچاس سال ہوگی۔!“

”خدا گنج نہیں داتا گنج....!“ قدر نے کہا۔
 ”اب چلو اپنے کمرے میں نہیں تو سر پر چادڑ لٹا کر مغز بہا دیں گے۔!“
 ”نہیں.... خدا کے لئے نہیں....!“ قدر خوف زدہ آواز میں بولا۔ ”میں دنیا میں اکیلا ہوں.... بالکل اکیلا....“ اور پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا.... وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔
 محافظ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔
 ”مجھے وہاں پہنچا دو.... وہاں.... میں وہاں جاؤں گا.... میری بکری....!“ وہ تھوڑی دیر کے بعد ہچکیاں لیتا ہوا بولا۔
 ”اٹھو....!“ محافظوں نے اس کی بظلوں میں ہاتھ دے کر زبردستی اٹھا دیا اور دھکیلتے ہوئے عمارت کی طرف لے جانے لگے۔

عمران نے طویل سانس لی۔ اس کے چہرے پر گہرے تفکرات کے آثار تھے۔ وہ بھی عمارت کی طرف مڑ گیا۔ اب وہ اس حصے کی طرف جا رہا تھا جہاں نجمہ رہتی تھی۔ اس نے دور ہی سے نجمہ کو ایک کھڑکی میں کھڑے دیکھ لیا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے ہاتھ اٹھا کر مؤدبانہ اسے سلام کیا۔ نجمہ کا چہرہ چمک اٹھا اس نے اسے ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی۔
 کچھ دیر بعد وہ تیزی سے چلتی ہوئی اس کی طرف آ رہی تھی۔
 ”مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔“ اس نے عمران کے قریب پہنچ کر ہانپتے ہوئے کہا۔ ”چلے وہیں مالٹی کی کج میں بیٹھیں گے۔ مجھے ماموں جان کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہے۔ انہوں نے خود ہی کچھ دنوں کے لئے ہم لوگوں کو یہیں بلوایا تھا۔ اور نہ میں تو ان کے یہاں تھوکتا بھی پسند نہیں کرتی۔!“

”مگر وہ شاید سب سے زیادہ آپ ہی پر مہربان معلوم ہوتے ہیں۔!“
 ”مگر میں ان سے بے حد نفرت کرتی ہوں۔!“
 ”واہ.... یہ بات ہماری سمجھ نہیں آسکی۔ آپ ان سے نفرت بھی کرتی ہیں۔ لیکن شاید آپ کے علاوہ ان کی رہائش گاہ میں اور کوئی نہیں جاتا۔!“
 ”نہیں بتا سکتی کہ انہیں جلانے میں مجھے کتنا لطف آتا ہے۔ جب وہ مجھ پر جھلاتے خار کھاتے

”پچاس سال.... آپ گھاس تو نہیں کھا گئے!“

”کیا یہاں کھانے کے قابل کوئی گھاس بھی پائی جاتی ہے۔“ عمران نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ اتنا بجنے کیوں ہیں!“

”اگر بگڑنا شروع کر دیں تو آپ ہمیں بد اخلاق کہیں گی.... خیر ہاں.... یہ تو بتائیے کہ آپ لوگ کس مٹی سے بنے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو کبھی کا یہاں سے چلا گیا ہوتا۔ آخر آپ اور آپ کی مٹی یہاں کیوں مقیم ہیں!“

”اوہ.... انہیں ماموں جان سے بے پناہ محبت ہے۔ کیونکہ ان کا سگا بھائی کوئی نہیں تھا۔ وہ انہیں خطرات میں چھوڑ کر نہیں جاسکتیں!“

”آپ کے والد صاحب کا کیا خیال ہے!“

”پاپا کا خیال.... پاپا پچارے مٹی سے بہت ڈرتے ہیں۔ ان میں اتنی ہمت نہیں کہ مٹی کے معاملات میں دخل انداز ہو سکیں!“

”اوہ آپ.... کیا آپ بھی خائف نہیں ہیں!“

”خوف کس بات کا.... میرا خیال ہے کہ آج کل ماموں جان تفریح کے موڈ میں ہیں۔ کسی دوست سے ان کا مذاق جاری ہے۔“

”کیا مطلب....“ عمران نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”ان کے مذاق بھی عموماً خطرناک ہی ہوتے ہیں۔ لہذا اکثر ان کے بعض احباب بھی ان سے دیئے ہی خطرناک مذاق کر بیٹھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان کے کسی دوست کو اس جرمن سیاح کے متعلق معلوم ہو جس نے خود کو شفق کا پجاری بتایا تھا!“

”لیکن ہم اس مذاق میں کیسے آکودے....“ عمران نے پھر جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔

”معاف کیجئے گا.... آپ صورت سے بالکل گاؤدی معلوم ہوتے ہیں ممکن ہے آپ کو یہ قوف سمجھ کر اس مذاق میں شریک کیا ہوگا۔ یعنی آپ اس مذاق کا ذریعہ بنائے گئے۔ ظاہر ہے کہ آپ ہی کی وجہ سے تو ہمیں ڈانٹا مایٹ کا علم ہوا.... ورنہ اگر وہ شفق کے پجاری جیج ماموں جان کو ختم کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے خود ہی یہ کارنامہ کیوں نہیں انجام دے ڈالا۔ وہ بھی باہر

کی جھاڑیوں میں چھپ کر آسانی سے کام کر سکتے تھے!“

”آپ بہت ذہین ہیں۔“ عمران نے کہا۔ ”مگر حقیقتاً وہ اس سے متفق نہیں تھا۔ کیوں کہ اب اس نے ایک بالکل ہی نئے زاویے سے اس کیس کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

”اور آپ کا اپنے متعلق کیا خیال ہے۔ اوہو ہم یہاں کیوں رک گئے کتنی دھوپ ہے!“

”اب ہم یہاں سے واپس جائیں گے.... کیوں کہ ہمارا اپنے متعلق کوئی خیال نہیں ہے!“

پھر وہ اسے وہیں چھوڑ کر لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا عمارت کی طرف چلا گیا۔



اسی شام کو عمران نے ایک بار پھر رفعت جاہ کی موجودگی میں روشی کے لئے ٹرک کال کی۔ لیکن آپریٹر نے بتایا کہ دوسری طرف سے جواب نہیں مل رہا۔

عمران کو رفعت جاہ پر براغصہ آیا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ ویسے وہ سوچ رہا تھا کہ آج رات کو کسی نہ کسی طرح یہاں سے ضرور نکل جانا چاہئے۔ ہر بد بھی غائب ہو گیا تھا ورنہ وہ اسی کو اس راہ پر لگانے کی کوشش کرتا۔

وہ اسی لاجپڑ بن میں تھا کہ روشی اور ہر ہر سروش محل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے۔ دونوں ہی بوکھلائے ہوئے تھے۔ انہیں جلدی نواب رفعت جاہ کے پاس پہنچا دیا گیا۔ عمران بھی وہیں موجود تھا۔ پھر تقریباً پندرہ منٹ تک عمران روشی پر گرجتا برستار ہا اور وہ گھبرائے ہوئے انداز میں وہ سب کچھ دہراتی رہی جو اس پر گزری تھی۔

”اب یہ کبخت حد سے گزرتے جا رہے ہیں۔“ رفعت جاہ فرش پر پیر پٹخ کر بولے پھر ہر ہر سے پوچھا۔ ”تم کہاں تھے!“

”جج.... جناب والا وہ پانچ تھے اور میں اکیلا مجھے زبردستی پکڑ لے گئے تھے۔“

”مگر پھر تم لوگ رہا کیسے ہوئے!“ عمران نے دونوں کو گھورتے ہوئے کہا۔

”باتوں میں وقت برباد نہ کرو.... اس مکان پر فوراً ریڈ ہونا چاہئے!“ نواب رفعت جاہ نے فون کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ پولیس ہیڈ کوارٹر کو فون کر رہے تھے۔

روشی نے بتایا کہ وہ ان تین آدمیوں کو آپس میں لڑانے میں کامیاب ہو گئی تھی جو ان کی نگرانی کر رہے تھے۔ اس طرح انہیں نکل بھاگنے کا موقع مل گیا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈیڑھ درجن مسلح کانسٹیبلوں کا ایک دستہ سروش محل پہنچ گیا۔ ڈی ایس پی سٹی بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔ بدھ کی رہنمائی میں اس مکان پر ریڈ کیا گیا۔ جو سروش محل سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ لیکن وہاں کوئی بھی نہ مل سکا۔ مکان ویران پڑا تھا۔ یہ مکان ایک مقامی زمیندار کا چوبارہ تھا۔ لیکن تحقیقات کرنے پر ثابت ہوا کہ زمیندار اس سے لاعلم تھا کہ اس دوران میں اس کو کوئی استعمال کرتا رہا ہے۔ وہ خود تو اسے سال میں صرف دو بار ان لیام میں استعمال کرتا تھا جب ششماہی لگان کی وصولیابی کا وقت آتا تھا۔

بہر حال یہ ریڈ ناکام رہا۔ عمران نے روشی کو پولیس والوں کے ساتھ نہیں جانے دیا تھا۔ حالانکہ وہ اسے بھی لے جانا چاہتے تھے۔ نواب رفعت جاہ بھی اس ریڈ میں شریک تھے۔

واپسی پر عمران غائب تھا۔ اس کے متعلق روشی سے پوچھ گچھ کی گئی۔ لیکن روشی کے پاس لاعلمی کے اظہار کے علاوہ اور کیا تھا۔

”تم نے انہیں کہیں جانے کیوں دیا۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے پوچھا۔

”میں نے....!“ روشی نے تسخرانہ انداز میں کہا۔ ”آپ ایک ذمہ دار آفیسر ہو کر اس قسم کا سوال کر رہے ہیں۔ مجھے افسوس ہے بھلا کس کی ہمت ہے کہ وہ پرنس کو ان کے کسی ارادہ سے باز رکھ سکے اور پھر میری ایک ملازمہ کی حیثیت ہے میں انہیں کس طرح روک سکتی تھی۔!“

ڈی۔ ایس۔ پی خاموش ہو کر رفعت جاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

”لیکن....!“ روشی نے رفعت جاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”وہ آپ کے لئے ایک خط دے گئے ہیں۔!“

”ہوں....!“ رفعت جاہ کا منہ بگڑ گیا۔ وہ چند لمحے روشی کو گھورتے رہے۔ پھر بولے۔

”آخر تمہیں کیوں ساتھ.... نہیں لے گئے۔!“

”ہو سکتا ہے انہوں نے اس کی وجہ خط میں تحریر کر دی ہو۔“ روشی نے زرد رنگ کا ایک لفافہ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

رفعت جاہ نے لفافہ چاک کیا اور اونچی آواز میں خط پڑھنے لگے۔

مائی ڈیز نواب رفعت جاہ

آج ہمیں یک یک یاد آگیا کہ ہم شاہ دارا کیوں آئے تھے۔ ہم شاہ دارا اس لئے آئے تھے کہ یہاں کی تاریخی عمارتیں دیکھیں گے لیکن شفق کے پجاریوں کے چکر میں پڑ کر ہمیں سب کچھ بھول جانا پڑا۔ فی الحال ہم آج کم از کم دو عمارتیں دیکھنے کی کوشش ضرور کریں گے۔ گو کہ اندھیرے میں ہم کو صاف نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن پھر بھی کوشش تو کرنی چاہئے۔ ہماری سیکریٹری ہماری واپسی تک سروش محل ہی میں مقیم رہے گی اگر آپ چاہیں تو اسے برنگال کے طور پر رکھ سکتے ہیں ہمارے لئے اسے انکار نہ ہوگا۔

کنور سلیم آف ڈھمپ

رفعت جاہ نے وہ خط ڈی۔ ایس۔ پی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ تھوڑی دیر تک اس پر نظر جمائے رہا پھر بولا۔

”کیا آپ کو ان حضرت پر کسی قسم کا شبہ ہے۔!“

”آپ کو تو اس کا علم ہو ہی گیا ہوگا کہ وہ کس طرح سروش محل کی حدود میں داخل ہوا تھا۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ میں اسے کیا سمجھوں۔!“

”اگر آپ اس کے خلاف کوئی تحریری بیان دے سکیں تو بہتر ہے۔!“

”نہیں.... ابھی میں اس کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ بھئی قصہ یہ ہے کہ مرکزی

حکومت کے ایک ذمہ دار آدمی نے تصدیق کی ہے کہ وہ ڈھمپ کا شہزادہ ہے۔!“

”ڈھمپ کہاں ہے“ ڈی۔ ایس۔ پی نے پیشانی پر شکنیں ڈال کر کہا۔ ”میں نے یہ نام پہلی بار

سنا ہے۔!“

”شمالی پہاڑی سلسلے میں ایک آزاد علاقہ ہے۔“ روشی بول پڑی۔

”ہوگا....!“ نواب رفعت جاہ نے لا پرواہی ظاہر کرنے کے لئے اپنے شانوں کو جنبش

دی۔ ان کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار نظر آرہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد پولیس والے

رخصت ہو گئے۔

دوسری صبح رفت جاہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے عمران کو ناشتے کی میز پر موجود پایا۔ انہوں نے صبح ہی صبح محافظوں سے رات بھر کی رپورٹ طلب کی تھی۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی عمران کی واپسی کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

عمران نے انہیں متحیر دیکھ کر ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا۔ ”ہم آپ کو صرف یہ یاد کرانا چاہتے تھے کہ ہم جب بھی چاہیں سروش محل سے جاسکتے ہیں اور اسی طرح واپس آسکتے ہیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔“

رفت جاہ کچھ نہ بولے نہ جانے ان کا چہرہ کیوں ستا ہوا سا معلوم ہو رہا تھا۔ اور ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ حال ہی میں بستر علالت سے اٹھے ہوں۔

ناشتہ بہت خاموشی سے ہوا۔ البتہ کبھی کبھی رفت جاہ عمران کو گھورنے لگتے تھے۔ عمران بھی خاموش ہی ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی نئے واقعہ کا منتظر ہو۔ آخر ایک واقعہ ہو ہی گیا۔

رفت جاہ نے پائپ میں استعمال کی جانے والی تمباکو کا ڈبہ اٹھلایا اور اس کا ڈھکن کھول کر تمباکو نکالنے کیلئے اس میں اپنی انگلیاں ڈال دیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں عمران نے انہیں چوتکتے دیکھا اور ان کی انگلیاں تمباکو کی بجائے کاغذ کا ایک تہہ کیا ہوا ٹکڑا دبائے ہوئے باہر آئیں۔

رفت جاہ مضطربانہ انداز میں اس کی تہیں کھول رہے تھے۔ پھر دفعتاً ان کے چہرے کی رنگت زرد ہو گئی۔ عمران بھی کاغذ ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیا مصیبت ہے....!“ رفت جاہ بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑائے۔

”کیا میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔“ عمران نے پوچھا۔

”ضرور.... ضرور....!“ رفت جاہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔ عمران نے کاغذ اٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ ٹائپ کے حروف میں تحریر تھا۔

”رفت جاہ“

اب وہ تینوں تصویریں نکال کر کپاؤنڈ میں کسی جگہ رکھو.... اور یہ

آخری وارنگ ہے۔ ورنہ آج ہی سے صحیح معنوں میں تم پر مصیبتوں کا

نزول شروع ہو جائے گا۔ گیارہ بجے سے پہلے پہلے میں وہ تینوں

تصویریں کپاؤنڈ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ ورنہ ٹھیک گیارہ بجے تمہارا کوئی عزیز دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔

پجاری“

”آپ واقعی بہت ضدی ہیں۔“ عمران تشویش کن لہجے میں بولا۔ ”لیکن آخر آپ اپنی ضد پر کسی عزیز کو کیوں قربان کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اب پجاری اپنی کسی بھی دھمکی کو عملی جامہ پہنا ڈالے گا۔!“

”پھر میں کیا کروں....!“ نواب رفت جاہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”تصویریں کپاؤنڈ میں رکھو ادیتجئے۔!“

”نہیں.... میں ڈی۔ ایس۔ پی سے مشورہ لئے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔ آخر وہ انہیں کپاؤنڈ میں کیوں رکھوانا چاہتا ہے۔ کیا وہ اتنا ہی چالاک ہے کہ انہیں اتنے آدمیوں کی موجودگی میں اٹھا لے جائے گا۔!“

”کچھ بھی ہو آپ کو وہی کرنا چاہئے جو اس نے لکھا ہے۔!“

”ٹھہرے.... میں ڈی۔ ایس۔ پی کو اس کی اطلاع دیئے بغیر ایسا نہیں کر سکتا.... رفت جاہ نے کہا اور میز سے اٹھ گئے۔ عمران وہیں بیٹھا رہا۔ تقریباً دس منٹ بعد رفت جاہ پھر واپس آئے۔

”میں نے فون کیا ہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی جلد ہی یہاں پہنچ جائے گا۔!“ رفت جاہ نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

اس بار ڈی۔ ایس۔ پی دس مسلح کانسٹیبلوں کے ساتھ آیا دوسب انسپکٹر بھی تھے۔ اس نے بھی رفت جاہ کو یہی رائے دی کہ تصویریں کپاؤنڈ میں رکھو ادی جائیں۔

”تصویریں میں نے محل کے ایسے تہہ خانے میں چھپائی ہیں جہاں کسی کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔“ نواب رفت جاہ نے کہا۔

”چلے اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو میں تیار ہوں.... مگر مناسب یہی ہے کہ آپ ان تصویروں کو نکالو ایس۔!“

کچھ دیر بعد عمران بھی ان کے ساتھ تہہ خانے میں موجود تھا۔ جس کے متعلق رفت جاہ کا خیال تھا کہ وہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔ لیکن بظاہر رفت جاہ کو اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ

وہاں عمران کی موجودگی پر احتجاج کر سکتے۔ کیوں کہ وہاں لکڑی کے تین بڑے بڑے فریم رکھے ہوئے تھے لیکن تصویریں کہیں نہیں نظر آرہی تھیں۔

”میرے.... خدا!....!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”انہیں تو دیکھنے کے لیے صاف کر دیا۔!“
دونوں فریموں کے کینواس دیکھنے کی مٹی سے ڈھکے ہوئے تھے۔ پھر انہیں ہاتھ لگاتے ہی لکڑی کے فریموں کے سوا اور کچھ نہ رہ گیا۔ دیکھنے والوں کے کینواس چاٹ ڈالے تھے۔
”اب کیا ہوگا....!“ رفعت جاہ بے بسی سے بڑبڑائے۔

”فکر نہ کیجئے!“ ڈی۔ ایس۔ پی بولا۔ ”آپ دوسری کوئی تصویریں کپاؤنڈ میں رکھوا دیجئے۔ میں ان لوگوں کو دیکھ لوں گا۔!“

وہ تہہ خانے سے نکل آئے۔ نواب رفعت جاہ ڈی۔ ایس۔ پی کا سہارا لے کر چل رہے تھے۔ ان کی حالت کچھ ایسی ہی تھی کہ وہ قدم قدم پر لڑکھڑاہے تھے۔

ہال سے تین بڑی تصویریں اتاری گئیں اور پھر انہیں ڈی۔ ایس۔ پی نے اپنی دانست میں ایک ایسی جگہ رکھوا دیا جہاں دشمن چاروں طرف سے مار کھا سکتا تھا۔ روشی اور عمران سب دیکھ رہے تھے لیکن خاموش تھے۔

اس وقت مرد آہن یعنی نواب رفعت جاہ پر اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا تھا اور وہ مضطربانہ انداز میں ادھر ادھر دوڑے پھر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے سارے اعضاء کو عمارت سے نکال لیا تھا اور وہ سب میدان میں کھڑے تھے۔ ان کے گرد پولیس کا گھیرا تھا۔ یہاں اتنی زیادہ سراسیمگی دیکھ کر ڈی۔ ایس۔ پی نے کچھ اور کانسٹیبل طلب کر لئے تھے۔

پونے گیارہ بج چکے تھے اور نواب رفعت جاہ کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ دفعتاً ڈی۔ ایس۔ پی عمران کی طرف مڑا اور عمران نے اس سے کہا ”ہمارے لئے یہ منظر بڑا عبرت ناک ہے۔ اگر نواب صاحب نے پہلے ہی یہ تصویریں....!“

”ہوں....!“ ڈی۔ ایس۔ پی غرایا۔ ”میں اپنی ذمہ داری پر آپ کو حراست میں لیتا ہوں۔“

اگر نواب صاحب کے کسی عزیز کو معمولی سا بھی گزند پہنچا تو آپ....!“
”ارے.... انکل قدیر....!“ دفعتاً نواب صاحب چیخے اڑ پانگوں کی طرح ادھر ادھر

دوڑنے لگے۔

”انکل قدیر کہاں ہیں.... ارے.... خدا کے لئے.... تلاش کرو....!“

وہ عمارت کی طرف بڑھے اور ان کے پیچھے عمران بھی لپکا۔ عمارت کے قریب پہنچے پہنچے ڈی۔ ایس۔ پی، روشی اور نجمہ کا بھی اضافہ ہو چکا تھا۔

”ارے اونجمہ کی بچی“ رفعت جاہ دانت پیس کر بولے ”تو کیوں آگئی بھاگ.... جا یہاں سے۔!“
”نہیں ماموں جان....!“ نجمہ نے خشک لہجے میں کہا اور روشی کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”میں اس یوریشین عورت سے پیچھے نہیں رہنا چاہتی۔ کیا وہ فولاد کی بنی ہوئی ہے۔!“

”جنہم میں جاؤ....!“ رفعت جاہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور عمارت میں داخل ہو گئے۔ گیارہ بجنے میں صرف دس منٹ رہ گئے تھے۔

”ارے وہ....“ دفعتاً عمران چیخا۔ ”وہ چھلانگ لگائی وہ گئے۔“

”کون....؟“ ڈی۔ ایس۔ پی اس کی طرف مڑا۔

”قدیر.... انہوں نے سامنے والی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر.... وہ بارجہ پکڑ لیا تھا اور پھر اس طرف کود گئے۔!“

”نہیں....!“ نواب رفعت جاہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر وہ ادھر ہی دوڑنے لگے۔ جدھر عمران نے اشارہ کیا تھا۔ وہ زینہ طے کر کے اوپری منزل پر پہنچ گئے۔

اور نواب رفعت جاہ ایک کمرے کی طرف جھپٹے۔ ان کے ساتھ ہی نجمہ اور ڈی۔ ایس۔ پی بھی اندر گھستے چلے گئے۔ روشی بھی ان کا ساتھ دینے ہی والی تھی کہ عمران نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”ارے.... ارے....“ پیچھے سے ہد ہد چیخا۔ مگر عمران کمرے کا دروازہ بند کر چکا تھا۔ جس میں وہ تینوں داخل ہوئے تھے۔

”یہ کیا حرکت....“ اندر سے ڈی۔ ایس۔ پی دھاڑا۔

”تم مجھے حراست میں لینے والے تھے نا۔“ عمران نے دروازے کو بوٹ کرتے ہوئے کہا۔

”او سو کر کے بچے.... دروازہ کھولو....!“ نواب رفعت جاہ دروازہ پیٹ رہے تھے۔ ”تم

مکار.... جھوٹے قدیر یہاں موجود ہے.... دروازہ کھولو....!“

”گیارہ بجنے میں صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔ مری جان نواب صاحب....!“ عمران نے

سر ہلا کر کہا۔

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے عمران سے سوال کیا کہ رفعت جاہ کو کس جرم میں گرفتار کیا

”ہاہاہاہا.....!“ دفعتاً نعت جاہ کا وحشیانہ قہقہہ بند کمرے میں گونج اٹھا۔

”ایک منٹ..... ہاہا..... ہاہا..... تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے..... نہیں کر سکتے..... تم
سمعوں کے چیتھرے اڑ جائیں گے!“

کیا ہے۔

”اقدام قتل..... فرار..... دواؤں کے ذریعے دوا فراہم کی ذہنی حالت خراب کرنا..... قدر پاگل نہیں تھا..... اسے بعض زہریلی اشیاء کے ذریعہ پاگل بنایا گیا ہے اور اس کی ذمہ داری سراسر رفعت جاہ پر ہے۔ اڈلفیا کا ایک ویٹر بھی انہیں حالات کا شکار ہوا ہے اور اس کا ذمہ دار بھی یہی شخص ہے۔ پچھلی رات اس نے اسی عمارت کے ایک کمرے میں ٹائم بم رکھا تھا۔ اور اس کے بعد اس کے دو ملازموں نے بیہوش قدر کو اسی کمرے میں پہنچا دیا تھا۔ میں نے اس ٹائم بم کو چیک کیا تھا وہ آج ٹھیک گیارہ بجے پھٹ جاتا، اس طرح شفق کے پجاری کی دھمکی عملی جامہ پہن لیتی یعنی قدر کے پرچے اڑ جاتے اور پولیس شفق کے پجاری کی تلاش میں سرگرداں نظر آتی۔ اسی لئے رفعت جاہ نے انتظام کیا تھا کہ پولیس موقع واردات پر پہلے ہی سے موجود رہے۔ رفعت جاہ نے قدر کو تلاش کرنے کے لئے بڑی شاندار اینگنگ کی تھی۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں اس کمرے تک ہرگز نہ لے جاتا جہاں قدر سچ مچ موجود تھا۔ ہم عمارت کے دوسرے حصوں میں ہوتے کہ ہمیں ایک دھماکہ سنائی دیتا۔ ٹائم بم زیادہ قوت والا نہیں تھا۔ اس سے صرف قدر کا سر غائب ہو جاتا۔ عمارت کو کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ واضح رہے کہ یہ ٹائم بم قدر کے نکلنے کے نیچے رکھا گیا تھا۔ آپ خود سوچئے کہ آخر رفعت جاہ کو قدر کا خیال صرف پندرہ منٹ پہلے کیسے آیا۔ جب کہ وہ بقیہ عزیزوں کو جن جن کمر عمارت سے باہر نکال لایا تھا۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ وہ ہمیں پندرہ منٹ تک عمارت کے دوسرے حصوں میں ٹھہلاتا پھرے۔ اور اسی اثناء میں بم پھٹ جائے۔ مگر ہم تو میں نے اسی وقت ہٹا دیا تھا جب وہ قدر کو وہاں لٹا کر باہر چلے گئے تھے۔ رفعت جاہ کو شاید یقین نہیں تھا کہ قدر مقررہ وقت تک بیہوش رہے گا۔ لہذا اس کے ہاتھ حیر باندھ دیئے گئے تھے اور منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔“

”مگر پھر وہ قدر کے کمرے میں داخل ہو گئے تھے۔“ کسی نے کہا۔ ”حالانکہ اس وقت تک دھماکہ بھی نہیں ہوا تھا اور گیارہ بجنے میں پندرہ منٹ باقی تھے۔“

”میں نے انصافاً طور پر انہیں اس کے لئے مجبور کر دیا تھا۔“ عمران نے مسکرا کر کہا۔ ”جب ہم عمارت میں داخل ہو رہے تھے میں نے چیخ کر کہا ”وہ رہا..... وہ گیا..... اوپر..... اس پر رفعت جاہ رک گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ ابھی ابھی قدر فلاں کھڑکی سے کود کر فلاں بارجے پر گیا ہے۔“

رفعت جاہ چونکہ تھوڑا بہت نروس بھی تھا لہذا اسے یقین آگیا اور اس نے غیر ارادی طور پر اسی کمرے کا رخ کیا جہاں اس نے پچھلی رات قدر کو چھوڑا تھا۔ بہر حال شفق کے پجاری کا کنزاک اسی لئے پھیلا دیا گیا تھا کہ رفعت جاہ پولیس کی ناک نیچے ہی اتار دیا جرم کرنے کے بعد بھی مصوم رہ سکے قدر مر جاتا اور پولیس شفق کے پجاری کی تلاش میں بھاگی بھاگی پھرتی اور آخر کار اس کیس کا قائل ہی بند کر دیا جاتا۔ بھی شفق کے پجاری کا وجود ہوتا تو پولیس کسی نہ کسی طرح اسے ڈھونڈ نکالتی..... مگر ایسی صورت میں جب کہ رفعت جاہ پر شبہ کئے بغیر ہی سراغ رساؤں کے گھوڑے دوڑتے رہتے تو نتیجہ مظلوم..... ٹھہریے ابھی کوئی سوال نہ کیجئے۔ مجھے کہہ لینے دیجئے یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ شفق کے پجاریوں کا پروپیگنڈا کرنے کے لئے رفعت جاہ کے جو آدمی ہاتھ لگاؤ میں ہی تھا۔ شاید اس نے اڈلفیا کے ویٹر کو ہدایت کردی تھی کہ یہ خط کسی بیوقوف آدمی کے ہاتھ لگنا چاہئے..... جو اسے لے کر سیدھا پولیس اسٹیشن دوڑا چلا جائے یا وہیں ہوٹل ہی میں چیخ چیخ کر اس کا اعلان کرنے لگے۔ پھر ویٹر کا دماغ خراب کر دیا گیا تاکہ وہ کسی سے کچھ کہہ نہ سکے اور وہیں سے ایک پر اسرار اور ہنگامہ خیز جاسوسی ناول اسٹیج ہونا شروع ہو جائے..... لیکن یہ بیسویں صدی ہے..... آج کل فو مانچو..... سومرو..... ڈاکٹر گولا..... یا مقدس جو تائپ کی لغویتیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔“

”مگر یہ سب کچھ ہوا کیوں.....!“ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پوچھا۔

”مجھے افسوس ہے کہ میں یہ سب کچھ نہ بتاؤں گا۔ میرے پاس ایسے کاغذات موجود ہیں جو ثبوت کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں اور ان سے جرم کا مقصد بھی ظاہر ہو سکتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ براہ راست محکمہ داخلہ کی تحویل میں جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ حکومت اس سلسلے میں اپنے طور پر کوئی علیحدہ کارروائی کرنا چاہے۔ بہر حال رفعت جاہ کو تا حکم ثانی حراست میں رکھا جائے اور اس کے لئے صرف میں ذمہ دار ہوں۔ میں نہیں بلکہ محکمہ داخلہ ذمہ دار ہے۔“

اس کے بعد کسی نے کچھ نہیں پوچھا لیکن موڈ سب کا خراب ہو گیا تھا۔ سکون کو رفعت جاہ سے ہمدردی تھی۔ کوئی اسے باور کرنے کو تیار ہی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ رفعت جاہ پر لگائے جانے والے الزامات صحیح ہوں گے۔

اسی شام کو روضی اور عمران اڈلفیا میں واپس آگئے۔ نجمہ بھی ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔

غالباً وہ اس چکر میں تھی کہ عمران سے سب کچھ معلوم کرے۔ لیکن آخر اسے مایوس ہو کر واپس جانا پڑا۔

مگر روشی سے وہ اپنا پیچھا کیسے چھڑاتا۔

”او..... تمہیں بتانا پڑے گا طوطے..... آخر اس نے تمہاری سب کچھ کیسے کر ڈالا.....!“

روشی نے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہا۔

”تجربہ..... نہیں..... تو..... اس کے ساتھ کئی آدمی تھے لیکن انہیں اصل مقصد کا علم نہیں تھا۔ وہ یہی سمجھتے تھے کہ رفعت جاہ نے شفق کے پجاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔ وہ اسی کے آدمی تھے۔ جنہوں نے تمہیں اور ہمد کو پکڑا تھا۔ تم اس غلط فہمی میں بھی نہ مبتلا رہنا کہ تم نے اپنی حکمت عملی سے رہائی حاصل کی تھی۔ رفعت جاہ کا پروگرام ہی یہی تھا کہ تم لوگ پکڑ کر چھوڑ دیئے جاؤ تاکہ پولیس کو شفق کے پجاریوں کے وجود کا یقین ہو سکے۔ دوسری طرف اس نے اپنے آدمیوں کو یہ سمجھایا ہو گا کہ میں تم یا ہمد شفق کے پجاریوں سے تعلق رکھتے ہو۔!“

”مگر وجہ بتاؤ..... وجہ..... اس نے اتنا کھڑاگ پھیلایا میوں تھا۔ وہ قدیر کو کیوں قتل کرنا چاہتا تھا۔!“

”کیونکہ وہ اپنے باپ کی اولاد نہیں تھا۔!“

”کیا مطلب.....!“

قدیر کے پاس اس کے ثبوت میں کچھ کاغذات موجود تھے جنہیں وہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ کسی طرح اسے علم ہو گیا تھا کہ قدیر کے پاس ایسے کاغذات موجود ہیں۔ لہذا اس نے پہلے تو شاید سیدھی طرح کام نکالنا چاہا لیکن قدیر اس پر رضامند نہیں ہوا ظاہر ہے کہ جب قدیر نے ایسے کاغذات کی طرف سے لاعلمی ظاہر کی ہوگی تو رفعت جاہ نے سوچا ہو گا کہ ممکن ہے کہ اب وہ انہیں اس کے خلاف استعمال ہی کر بیٹھے۔ لہذا اس نے کسی قسم کے زہر سے اس کی دماغی حالت ہی برباد کر دی۔ لیکن شاید دماغی حالت خراب ہونے سے پہلے قدیر ان کاغذات کے متعلق سوچنا رہا تھا۔ لہذا پاگل ہو جانے کے بعد بھی اُن خیالات کی پرچھائیاں آپس میں گڈمڈ ہو کر اس کے ذہن میں چکراتی رہیں وہ ان کاغذات کے لئے جگہ جگہ زمین کھودتا رہتا اور رفعت جاہ وہاں

کنوئیں کھوداتا رہتا۔ ہو سکتا ہے کہ رفعت جاہ نے اسی لئے اس کا دماغ خراب کیا ہو کہ وہ پاگل پن ہی میں اس جگہ تک رسائی کر جائے جہاں اس نے کاغذات چھپائے ہوں۔ یہی بات درست ہو سکتی ہے۔ اسی لئے وہاں کنوئیں کھودا دیتا تھا۔ جہاں قدیر صرف ایک ہی بالشت زمین کھود ڈالتا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ وہ کاغذات ایک جگہ دفن ہی تھے میں نے ایک بار قدیر کو بڑبڑاتے سنا تھا باتیں قطعی بے ربط تھیں۔ لیکن میں نے پچھلی رات داتا گنج جاکر اس کے مکان کا جائزہ لیا تو اس کی بے ربط باتیں یاد آنے لگیں۔ وہاں ایک پیپل کا درخت تھا جس کے نیچے بکری کی ینگٹیاں بکھری ہوئی تھیں اور پیپل کی کئی جڑیں زمین کی سطح سے اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کی بے ربط باتیں جو سنی تھیں ان میں پیپل کی سب سے موٹی جڑ کا حوالہ بھی تھا..... پھر مجھے یاد آیا کہ قدیر زمین کھودنے کے خط میں مبتلا تھا..... بس میں نے پیپل کی سب سے موٹی جڑ کے نیچے کھودنا شروع کر دیا۔ شاید ڈیڑھ فٹ نیچے ہی کسی سخت چیز سے کدال ٹکرائی اور لوہے کا ایک چھوٹا سا صندوق تھا..... بس پھر وہیں سے رفعت جاہ کا بیڑہ غرق ہونے لگا۔ میں نے اس وقت تک ان لوگوں کے پیچھے لگا رہا جب تک کہ یہ قدیر کو اس کمرے میں لانا کر باہر نہیں چلے گئے.....

آہاں..... اب آگے میں نہیں بتاؤں گا۔

”بتانا پڑے گا طوطے..... ورنہ میں تمہاری زندگی تلخ کر دوں گی اور میں جو کچھ کہتی ہوں تم اچھی طرح جانتے ہو۔!“

عمران نے نر اسامہ بنا کر ایک طویل سانس لی اور بولا ”وہ صولت جاہ کی اولاد نہیں ہے۔ خود صولت جاہ کی تحریر اس سلسلے میں موجود ہے اور اسی تحریر کے لئے اتنا ہنگامہ ہوا تھا۔ صولت جاہ کا بیان ہے کہ وہ شادی کے پانچ ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ ان کاغذات کے ساتھ شادی کا سرٹیفکیٹ اور رفعت جاہ کی پیدائش کا سرٹیفکیٹ بھی موجود ہے۔ لیکن صولت جاہ حکم کھلا اس کا اظہار کر سکا اور نہ یہی کر سکا تھا کہ رفعت جاہ کی ماں کو طلاق دے دیتا کیوں کہ وہ انگلینڈ کے ایک ٹائٹ کی لڑکی تھی۔ اس نے صولت جاہ کو ڈر لیا تھا کہ اگر اس نے اس بات کا اعلان کیا تو اس سے خطاب اور جاگیر دونوں چھین لئے جائیں گے۔ صولت جاہ یہ نہیں چاہتا تھا۔ مجبوراً اسے خاموش رہ جانا پڑا۔ لیکن اس نے یہ سب کچھ صرف قدیر کی والدہ یعنی اپنی سوتیلی ماں کو بتا دیا تھا۔ بلکہ اپنے تحریری بیان کے ساتھ وہ سارے ثبوت بھی اس کے حوالے کر دیئے تھے جو اس سلسلے میں کام آسکتے۔ اس نے لکھا ہے کہ

سب کچھ محض اسلئے کر رہا ہے کہ ممکن ہے کبھی ملک انگریزوں کے پنجے سے آزادی ہو جائے اس وقت یہ کاغذات قومی حکومت کے سامنے پیش کر کے صحیح حق وادار کا حق دلوا دیا جائے۔

”بڑا چالاک تھا....!“

”پتہ نہیں.... چالاک تھا یا گھماڑ....“ عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”مگر اس

گدھے نے دو شادیاں کی تھیں۔ پتہ نہیں یہ لوگ دو شادیاں کر کے زندہ کیسے رہتے ہیں۔!“

”کر کے دیکھو....!“

”نہیں.... بس.... اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے خاندان میں ایک آدمی نے شادی کر لی تھی۔!“

”کس نے....!“

”ڈیڈی نے....! ان کی شادی پر میں آج تک پچھتا رہا ہوں۔“ عمران نے گلوگیر آواز میں

کہا اور چپو گلم کا پیکٹ پھاڑنے لگا۔

پھر یہ کہانی یہیں نہیں ختم ہو گئی۔ رفعت جلاہ کی طرف سے آج تک مقدمہ لڑا جا رہا ہے۔ ویسے

بہترین قسم کے قانون دانوں کی یہی رائے ہے کہ رفعت جلاہ کا کامیاب ہونا ناممکن ہے۔ جائیداد ختم

کی ماں ہی کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ قدیر اور ٹولفیا کا ویٹر آج بھی صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔

(ختم شد)